مجموعہ

رباعیات میر انیس مرحوم

مرتبہ

سیّد محمّد عبّاس صاحب - ایم - اے

باہتمام

بی - بی - کپور سپرنٹنڈنٹ

نول کشور پریس لکھنؤ

۱۹۴۸ء

قیمت - عہ۲ر

فہرست مضامین

عرضِ حال

یوں تو میر انیس مرحوم کی کچھ رباعیاں مراثی انیس کی جلدوں میں طبع
ہو چکی ہیں پھر اثنا عشری پریس لکھنؤ نے مجموعہ رباعیات خاندانِ انیس طبع کیا
اُس کے بعد جناب سید محمد حسن صاحب بلگرامی نے ایک مجموعہ مرتب کر کے
منشی رحمت اللہ رعد کے مطبع کانپور سے طبع کرایا۔ لیکن ان سب میں عموماً وہی
رباعیاں ہیں جو مراثی میر انیس کے ساتھ مطبع منشی نول کشور میں چھپی ہیں مرتب
مجموعۂ ہذا کو ۳۸ء سے رباعیات انیس کے جمع کرنے کا خیال پیدا ہوا
اور کچھ عرصہ میں یہ مجموعہ مرتب ہو گیا لیکن یورپ میں جنگ عظیم کا آغاز ہونے اور کاغذ
پر کنٹرول کی وجہ سے اس کی طباعت کچھ مدت کے لئے رُک دی پھر جنوری ۳۹ء

میں بعض احباب کی فرمایش سے اس مجموعہ سے کچھ اخلاقی رباعیاں علیحدہ کر لی گئیں اور امیریہ دار التالیف محمود آباد ہاؤس نے نظامی پریس لکھنؤ میں طبع کرا کے انیس الاخلاق کے نام سے اس کو شایع کر دیا افسوس ہے کہ انیس الاخلاق میں کچھ غلطیاں ہو گئی تھیں جو انشاء اللہ دوسرے اڈیشن میں درست کر دی جائیں گی۔

اِن رباعیوں کے جمع کرنے میں خاندان انیس کے اکثر مرثیہ خوانوں کے بستوں کی تلاشی لی گئی اور اُن سے بہت سی نئی نئی رباعیاں حاصل ہوئیں جو شامل مجموعہ ہٰذا ہیں لیکن اکثر و بیشتر رباعیاں بے تخلص کے تھیں اسلئے ان کی شناخت میں کہ یہ انیس کی ہیں بھی یا نہیں؟ بہت دقت ہوئی اور اسکے لئے میں نے اپنے دادا جناب سید علی صاحب مانوس مرحوم

ہے جو میر انیس مرحوم کے سب سے بڑے نواسے اور عمر میں اس وقت تقریباً
۹۷ سال کے تھے مدد حاصل کی مرحوم میر انیس کے انتقال کیوقت ۳۰
سال کے تھے اور جناب انیس کے پاس برابر حاضر رہتے تھے اور ہر مجلس میں
شریک ہوتے تھے مرحوم کو ہیں نے کل رباعیاں سنادیں جنکے متعلق فرمایا
کہ یہ نانا صاحب کی ہیں وہ شامل کیگئیں باقی خارج کردیں مرحوم کا حافظہ
بہت قوی تھا انھوں نے اپنی یادداشت سے بہت سی رباعیاں پڑھ
کر سنائیں جو داخل مجموعہ کی گئیں بعض رباعیوں کے متعلق واقعات
بتائے جن کو اس مجموعہ کے مقدمہ یا فٹ نوٹ مین درج کردیا گیا افسوس
ہے کہ ۲۷۔اپریل ۱۹۴۱ء کو مرحوم واصل بہ رحمت حق ہوئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

میں اپنے استاد عالی جناب پروفیسر سید مسعود حسن صاحب رضوی کا شکر گذار ہوں کہ اس مجموعہ کی ترتیب تدوین کا ذکر کرنے پر جناب موصوف نے ایک رباعی میر خلیق صاحب مرحوم کی مجھکو بتائی جس کی بغیر یہ مقدمہ تشنہ رہ جاتا اور موصوف ہی کی سعی سے اس کی طباعت میں بہی، آسانیاں پیدا ہوگئیں میرے بھائی جناب سید محمد ہادی صاحب لائق بھی قابل شکریہ ہیں کہ موصوف نے بھی ان رباعیوں کے جمع کرنے میں بہت مدد دی ہے اور اکثر غیر مطبوعہ رباعیاں موصوف سے حاصل ہوگئیں :-

اس مجموعہ کی کتابت ہو چکی تھی کہ عالی جناب محمد امیر حسین خاں صاحب بہادر مہاراجہ محمود آباد نے کچھ رباعیاں میر انیس مرحوم کی عطا فرمائیں

اور ایک مجموعۂ رُباعیات جناب سیّد محمد اطہر صاحب زائرؔ سیتاپوری نے عنایت فرمایا ان دونو مجموعوں میں سے ایک رُباعی جس میں تخلّص موجود تھا اور چند اور رُباعیاں جن کے متعلق یقین ہوگیا کہ انیسؔ کی ہیں آخر میں ضمیمہ شامل کر کے درج کی گئیں۔ ہم سرکار ممدوح جناب مہاراجکمار صاحب اور جناب زائرؔ کی اس ہمدردی کے بیحد شکرگذار ہیں۔

سیّد محمد عباس
اگست ۱۹۴۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رباعیاتِ میر انیس

مقدمہ

رباعی کی ابتدا تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ ایک وزامیر یعقوب صفار، (المتوفی ۲۶۵ھ) دربار میں بیٹھا ہوا تھا اہل دربار جمع تھے دفعتہً امیر کا خوردسال بچہ کچھ جوز ہاتھ میں لئے محل سے برآمد ہوا امیر کے بچہ کو دیکھکر اور بچے بھی جمع ہو گئے اور سب مل کر ایک گڑھے میں جوز پھینکنے لگے سات جوز گڑھے میں پہونچ گئے مگر ایک کسی طرح نہیں پہونچتا تھا بعد کوشش بسیار

وہ کامیاب ہوا اور آٹھواں جوز بھی ڈھلک کر گڑھے کے کنارے

پہونچ گیا اور امیر زادہ جوشِ مسرت میں بے اختیار چلا اٹھا۔

"غلطاں غلطاں ہمیرود تا لب گو"

یعقوب ان الفاظ کو سنکر بہت محظوظ ہوا وزرا اور اہل دربار سے

دریافت کیا وہ کہنے لگے کہ یہ شعر کی قسم معلوم ہوتی ہے چنانچہ امیر کے

حکم سے اس زمانہ کے عربی شعرا ابو دلف اور زینت الکعب اس کی

تحقیق اور تقطیع میں مشغول ہوئے اور بتایا کہ وہ بحر "ہزج" کی ایک

قسم ہے اسیوقت اس مصرع پر اسی وزن کے تین اور مصرعے لگا کر

دو بیت پورے کر دئے گئے اور اس نوایجاد صنف نظم نام دو بیتوں

کی مناسبت سے دوبیتی رکھ لیا کچھ عرصہ کے بعد چار مصرعوں کے لحاظ سے

لوگ اس کو رباعی کہنے لگے جو آج تک رائج ہے بعض لوگوں نے اس کا نام

ترانہ بھی لکھا ہے رباعی خاص ایران کی ایجاد ہے۔

رُباعی کی تعریف رباعی فن شعر کی ایک قسم ہے جس میں صرف چار

مصرعوں میں شاعر اپنا مطلب ادا کر دیتا ہے رباعی کی غرض صرف آخری مصرع

میں پوری ہو جاتی ہے اسلئے کہ شاعر آخری مصرع میں کوئی نکتہ یا لطیفہ یا

مثال پیش کرتا ہے اور ابتدائی تین مصرعے اسی کی شرح یا تائید میں ہوتے ہیں

عموماً چوتھا مصرع سب سے بہتر اور بلند تر ہوتا ہے۔

رُباعی کا وزن شعرا نے رباعی کو صرف بحر ہزج اخرب اخرم میں

منحصر کر دیا ہے اور اس کا خاص وزن "لاحول و لا قوۃ الا باللہ" قرار دیا گیا

ہے لہذا جو اس وزن پر نہ ہو وہ قطعہ سمجھا جائے گا رُباعی نہ ہوگی۔

عروضیوں نے رباعی کے چوبیس۲۴ اوزان مانے ہیں اور وہ سب

بحر ہزج ہی سے متعلق ہیں ان اوزان کو اخرب و اخرم دو شجروں میں بیان

کیا ہے یہاں دونوں کا ایک ایک وزن مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے ۔

ہزج اخرم "مفعولن مفعول مفاعیل فعول"

" اخرب "مفعول مفاعیل مفاعیل فعول"

چونکہ شجرۂ اخرب کے اوزان شجرۂ اخرم کے اوزان سے سبک تر ہیں اسلئے

رباعی کے لئے یہی زیادہ مطبوع و مقبول ہوئے ۔

رباعی بلحاظ قافیہ بلحاظ قافیہ رباعی دو طرح کی ہوتی ہے رباعی مصرّع

اور رباعی خصی یا ناقص اگر رباعی کے چاروں مصرعوں میں قافیہ ہو تو وہ

رباعی مصرّع ہے اور اگر پہلے دوسرے اور چوتھے مصرعے میں قافیہ ہو اور

تیسرے میں نہ ہو تو رباعی خصی یا ناقص کہلاتی ہے متقدمین شعرائے

ایران عموماً رباعی مصرع کہتے تھے چنانچہ فردوسی عنصری ابو شکور

بلخی وغیرہم کی رباعیاں زیادہ تر مصرع ہیں۔ متاخرین نے اس شرط کو

ضروری نہ سمجھا اور صرف پہلے دوسرے اور چوتھے مصرع میں قافیہ لائے۔

رباعی کی مقبولیت شاعری اور موسیقی دونوں کا شمار فنون لطیفہ

میں ہے اور دونوں میں ایک قسم کا ربط و علاقہ ہے اسلئے دونوں ہمیشہ

پہلو بہ پہلو چلتی رہیں اور ملی جلی رہیں جس طرح نغمات موسیقی کیلئے

ضروری ہے کہ وہ کسی نہ کسی وزن کے ساتھ منظوم ہوں اسی طرح اشعار

کو خاص لحن اور مخصوص ادا سے پڑھنے میں لطف و کیفیت بہت زیادہ

ہو جاتا ہے سلاطین کے درباروں میں ہمیشہ غزلیں قصیدے اور

دوسری نظمیں خاص لہجہ اور لحن سے گا گا کر پڑھی جاتی تھیں اگر شاعر کو موسیقی میں مہارت ہوتی تھی تو وہ خود گاتا تھا ورنہ اپنے ساتھ ایک "راوی" لاتا تھا جو اسکی نظم گا کر سُنا دیتا تھا اور کبھی کبھی درباری مُغنی شعرا کی نظمیں گا کر سُناتے تھے۔

رُباعی کا وزن موسیقی سے خاص مناسبت رکھتا ہے چُنانچہ، رُباعی ایجاد ہوتے ہی اس صنفِ شعر کی اتنی مقبولیت ہوئی کہ ہر شاعر نے رُباعی کہنا ضروری سمجھا اور ہر مجلس و محفل میں رباعیاں گائی جانے لگیں علی الخصوص عورتوں اور بچوں میں بہت زیادہ مقبول و مطبوع ہوئیں محمد ابن قیس رازی "المعجم فی معائیر اشعار العجم" کے صفحہ ۹۰ پر ان الفاظ میں اشارہ کرتا ہے "بحقیقت ہیچ وزن از اوزان مبتدع و اشعار

مخترع کہ بعد از خلیل احداث کردہ اند بدل نزدیک تر و در طبع آویزندہ تر از ین نیست و بحکم آنکہ ارباب صناعت موسیقی برین وزن الحان شریف ساختہ اند و طرق لطیف تالیف کردہ و عادت چنان رفتہ است کہ ہر چہ ازان جنس بر ابیات تازی سازند آنرا قول خوانند و ہر چہ بر مقطعات پارسی باشد آنرا غزل خوانند اہل دانش ملحونات این وزن را ترانہ نام کردند" اور عنصر المعالی امیر کیکاوس "قابوس نامہ" میں آئین خنیاگری کے بیان میں اس طرح کہتا ہے۔

"بس کودکان و زنان و مردمان لطیف طبع برخے بے بہرہ بناشند تا آنگاہ کہ ترانہ گفتن پدید آمد این ترانہ را نصیب این قوم کردند تا این قوم نیز راحت یابند و لذت از انکہ از وزنہا ہیچ وزنے

لطیف تر از وزن ترانہ نیست"۔

رباعی کے مقاصد شروع شروع میں رباعی کے مقاصد صرف اصناف نازک یعنی بچوں اور عورتوں کو خوش کرنے تک محدود تھے جیسا کہ عبارات مذکورۂ بالا سے منکشف ہوا لیکن کچھ عرصہ کے بعد صوفیائے کرام نے اس سے فائدہ اٹھانا شروع کیا اور مسائل تصوف اور مضامین نعت و منقبت رباعیوں میں نظم کئے جانے لگے پھر شعرائے دربار اس کی طرف متوجہ ہوئے اور رباعی کے ذریعے سے بادشاہوں اور رئیسوں کے دربار میں مطلب برآری کرنے لگے۔

رباعی چار مصرعوں کی ایک چھوٹی سی نظم ہونے کی وجہ سے بدیہہ گوئی کے لئے بہت موزوں ہے اکثر بادشاہ اور امرا کسی

خاص واقعہ سے متاثر ہو کر درباری شاعر کو فوراً نظم کرنے کا حکم دیدیتے تھے۔ شاعر پر اس کی تعمیل لازم ہوتی تھی ایسے موقع پر وہ رباعی سے کام لیتا تھا اور حکم ملتے ہی فوراً مناسب محل رباعی نظم کر کے سنا دیتا تھا اسی طرح بعض ہنگامی واقعات مثلاً شکریہ شکایت تہنیت معذرت اور فخر کے مواقع پر بھی رباعی ہی سے کام لیا جاتا تھا چنانچہ اس قسم کے واقعات اور رباعیاں تذکروں میں موجود ہیں۔ غزنوی دور کے شعرا مثل فردوسی عنصری اور اسی عہد کے دوسرے درباری شعرا کی رباعیاں انھیں ہنگامی واقعات حسن و عشق کے معاملات اور مدح شراب پر مشتمل ہیں۔

دورِ اوّل کی رباعیوں کی نایابی | رباعی کے ایجاد کو ایک صدی سے زیادہ زمانہ گذر گیا مگر ابھی تک اس کی طرف خواص کی توجہ

نہیں ہوئی تھی تذکرہ نویس اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس وقت

ایران میں اہل عرب برسر اقتدار تھے عربی زبان اور لٹریچر کی قدر تھی

فارسی چونکہ کفار کی زبان تھی اسلئے اس میں لکھنا پڑھنا اور اس کے

لٹریچر کو رواج دینا کفر کے مرادف خیال کیا جاتا تھا اور فارسی کے

پرانے لٹریچر کو ضائع کرنا جزو ایمان سمجھا جاتا تھا غرضکہ جس وقت

تک دیالمہ اور سامانی جو ایرانی مسلمان تھے صاحب اقتدار نہوئے

اس وقت تک فارسی لٹریچر کیطرف کسی نے توجہ نہیں کی حکومتوں کی

جانب سے فارسی علوم اور ادب کو شایع کرنیکی سخت ممانعت اور مخالفت

رہی عوام اکثر وقتاً فوقتاً فارسی ادب سے کام لیتے تھے اور اس میں نظم

بھی کرتے تھے لیکن ان کو منضبط کرنے کا ارادہ نہیں کرتے تھے

اسی کی طرف صاحب آتشکدہ حالات ابوالحسن رودکی میں اشارہ کرتے ہیں۔

اور روزگار سلاطین آل سامان بودہ و نخست در گنجینہ شعر فارسی را او بہ کلید زبان کشودہ گویند بغیر شعرے از بہرام گور و مصرعے از خلف یعقوب ابن لیث صفار شعرے بزبان فارسی گفتہ نشدہ و اگر ہم شدہ تخیل کہ بہ علت دولت عرب ضبط نہ شدہ بہرحال تا زمان رودکی شاعرے صاحب دیوان نہ بودہ"

تذکرہ نویس یعقوب صفار کے لڑکے کو سبب ایجاد باعی قرار دیتے ہیں اور اسکے متعلق ایک واقعہ بھی تحریر کر دیتے ہیں اسی طرح شعر فارسی کے ایجاد کے متعلق بھی ایک واقعہ لکھتے ہیں اور اس دور قحط الاشعار کا سبب عرب

حکمرانوں کا اہل ایران اور فارسی لٹریچر سے تعصب بتاتے ہیں مورخین
خاموش ہیں لیکن یہ امر غور کرنے کے قابل ہے کہ عرب حکمرانوں کا تعصب اور
انکے احکام امتناعی اپنے عہد کے مورخین کے دست قلم کو روک سکتے تھے مگر
لوگوں کے دل و دماغ پران کی حکومت نہ تھی اشعار ان کے دماغوں سے
محو نہیں کئے جا سکتے تھے۔ کیا وجہ کہ لوگوں کے دماغوں میں محفوظ نہیں
رہے اور جب ایرانی مسلمانوں کا تسلط ہو گیا تو کیوں ضبط تحریر میں نہیں
آگئے ڈیڑھ سو برس کا زمانہ زیادہ نہیں اس میں تقریباً تین نشتیں ہونگی زبانی
یاد رکھ سکتے تھے اور بعد میں لکھ سکتے تھے بہت سے تاریخی واقعات جن کے
چھپانے کے لئے حکومتوں نے بے انتہا کوششیں کیں انکے منضبط
کرنے والے کو سخت سے سخت سزائیں دیں مگر وہ نہ چھپ سکے تو کیا سبب کہ

اس قلیل مدت کے اشعار اور رباعیاں عربوں کے فنا کرنے سے فنا ہوگئیں

بہر حال رقعیات جو کچھ بھی ہوں فارسی رباعی کی ابتدا شیخ ابوالحسن خرقانی سے

جو عہد دیالمہ کے ایک بڑے صوفی بزرگ تھے معلوم ہوتی ہے۔

صوفیانہ رباعیاں
شیخ ابوالحسن خرقانی

چوتھی صدی کے اوائل سے دیالمہ کا عروج شروع ہوا یہ علما اور علم کے قدردان تھے اور

چونکہ یہ لوگ ایرانی النسل تھے انھوں نے فارسی ادب کو فروغ دینا شروع

کیا ان کے زمانہ میں تصوف بھی ترقی کرنے لگا اور صوفی شعرا کی قدر ہوئی

تصوف کا جزو موسیقی ہے اور رباعی کا وزن موسیقی سے مناسبت رکھتا

تھا اسلئے شعرائے رباعی کے پردے میں عشق حقیقی کی تعلیم دینا شروع

کی اور صوفیوں کی مجلس سماع میں رباعیاں گائی جانے لگیں سب سے پہلے

شخص جنھوں نے رباعی کے پردے میں تصوف کی اشاعت کی شیخ
ابو الحسن خرقانی المتوفی ۴۲۵ھ ہیں آپ کی رباعیاں مجمع الفصحا
اور آتشکدہ میں موجود ہیں۔ آپ عموماً پرانی فارسی اور پہلوی آمیز زبان نظم
کرتے تھے۔ ان سے قبل حضرت بایزید بسطامی کی طرف بھی چند
رباعیاں منسوب نظر آتی ہیں مگر وہ پایۂ اعتبار کو نہیں پہونچتیں شیخ خرقانی
کا معاصر باباطاہر عریان ہمدانی تھا۔ اس نے بھی ایک مجموعۂ رباعیات
قصبہ لُرے کی دیہاتی زبان میں نظم کیا لیکن اس نے رباعی کے مخصوص،
وزن بحر ہزج اخرب یا اخرم کو ترک کر کے بحر ہزج مسدس کو جس کے
ارکان مفاعیلن مفاعیلن فعولن" ہیں اختیار کیا لہذا اس کی رباعیاں
رُباعی کہے جانے کی مستحق نہیں ہیں۔

ابو سعید ابی الخیر | اسی عہد کے بہت بڑے صوفی شاعر حضرت سلطان ابو سعید ابن ابی الخیر ہیں آپ کی رباعیاں مسائل تصوف تبلیغ مذہب اور پند و نصائح کے مضامین سے پر ہیں تصوف میں آپ کے اور تصانیف بھی موجود ہیں مشاہیر شعرائے صوفیہ مثلاً عطار رومی جامی وغیرہ نے آپکی رباعیوں اور دیگر تصانیف سے تصوف میں کافی مدد حاصل کی ہے آپکی رباعیوں کے کئی اڈیشن مشرق و مغرب میں طبع ہو چکے ہیں آپکی وفات ۴۴۰ھ میں واقع ہوئی۔

بابا افضل کاشانی | صوفی باصفا شاعر حق نما عالم عامل حکیم فاضل بابا افضل الدین کاشانی بھی اسی دور کی یادگار ہیں آپ کی رباعیاں، اسرار تصوف اور رموز حقیقت کے بیان میں ہین آپ کی اکثر رباعیاں، عمر خیام کی رباعیوں کے ساتھ مخلوط نظر آتی ہیں تذکرہ نویس آپ کے زمانے کے

متعلق مشکوک ہیں بعض آپ کو محقق طوسی کا معاصر اور بعض محمود غزنوی
کا ہمعصر کہتے ہیں۔

عبداللہ انصاری عہد سلاطین سلجوقیہ میں بھی کئی رباعی گو شاعر
گزرے ہیں ان میں سب سے پہلا نام شیخ الاسلام ابو اسمٰعیل حضرت عبداللہ
انصاری کا ہے آپ ۳۹۶ھ میں بمقام ہرات متولد ہوئے آپ اپنے تئیں حضرت
ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی اولاد بتاتے ہیں آپ فارسی اور عربی
دونوں زبانوں میں نظم کرتے تھے آپ کا کلام زیادہ تر عجز و تقصیر طلب مغفرت
اور نصیحت و موعظت سے مملو ہے آپ کی ایک فارسی مناجات جو نظم و نثر کا
مجموعہ ہے بہت دلکش اور مقبول خاص و عام ہے اس میں رباعیاں بھی شامل
ہیں آپ کی بھی بعض رباعیاں خیام کی رباعیوں میں ملی ہوئی ہیں اسی زمین

امام محمد غزالی اور اُن کے بھائی احمد غزالی نے بھی چند رُباعیاں لکھی ہیں۔

فرید الدین عطار | سلجوقی دور کے بزرگترین صوفی شاعر اور بڑے بڑے صوفی شعرا کے رہنما شیخ فرید الدین عطار ہیں آپ کی ولادت ۵۱۳ھ میں بہ عہد سلطان سنجر ابن ملکشاہ سلجوقی بمقام کدکن ضلع نیشاپور ہوئی اور ۶۲۷ھ میں ایک چنگیزی سپاہی کے ہاتھ سے مقتول ہوئے آپ کی تصنیفات کی تعداد سو سے زیادہ ہے جس میں ایک مجموعۂ رباعیات بھی شامل ہے اور اس کا نام "مختار نامہ" ہے اس کا دیباچہ نثر میں ہے جس میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ "میں نے چھ ہزار رباعیاں نظم کیں اور ان میں سے پانچ ہزار انتخاب کر کے موجودہ منتخب کو اختیار کیا اور اس کا نام مختار نامہ رکھا اور بقیہ رباعیاں دیوان غزلیات میں شامل کر دیں مختار نامہ

۵۰ باب پر مشتمل ہے اور ہر باب میں ایک مستقل مسئلہ تصوف کے متعلق رباعیاں نظم کی ہیں مختار نامہ کلیات عطار کے ساتھ مطبع نولکشور میں طبع ہو چکا ہے۔

مولا روم مولا جلال الدین رومی نے بھی جنکی تمام تر شہرت اونکی مثنوی کی بدولت ہے بہت کثرت سے رباعیاں نظم کی تھیں جن کا مجموعہ مطبع اختر اسلام بول نے ۱۳۱۲ھ میں طبع کیا تھا لیکن اب نایاب ہے۔ انکی رباعیاں بھی انکی غزلوں اور مثنوی کیطرح تغزل و تصوف کے مسائل سے پر ہیں

عمر خیام ملک شاہ اور سلطان سنجر کے دوران حکومت میں حکیم عمر ابن ابراہیم الخیام سب سے مشہور رباعی گو شاعر گزرا ہے یہ عربی کا بہت بڑا عالم اور مختلف علوم و فنون کا فاضل تھا اور اسی لئے اس کو حکیم کا لقب دیا گیا تھا۔ علوم ریاضی نجوم فلسفہ صرف و نحو وغیرہ میں بہت بڑا پایہ رکھتا تھا علم نجوم میں اس کے بہت سے تصنیفات ہیں نظم میں صرف رباعیاں موجود ہیں۔ جو کبھی کبھی تفریح طبع کے لئے کہہ لیا کرتا تھا مگر اس کی زیادہ تر شہرت انھیں رباعیوں کی بدولت ہے یہ

رباعیاں عموماً فلسفیانہ رنگ کی ہیں اور ان میں اس نے (ایپی کورس)

EPICURUS. کے نظریہ زندگی (یعنی انسان فانی ہے نہ معلوم

کب موت آجائے لہذا آج ہی لطف زندگی حاصل کر لیا جائے) کی

تعلیم دی ہے اور یہی سبب ہے کہ وہ مشرق سے زیادہ آج مغرب میں مقبول

ہیں قریب قریب تمام مغربی زبانوں میں ان کا ترجمہ ہو چکا ہے اور بعض

ایڈیشن مصور بھی چھپے ہیں رباعیوں کی تعداد مختلف قلمی اور مطبوعہ نسخوں،

میں ۷۶ سے ۱۲۰۰ تک پہنچتی ہے اکثر دوسرے شعرا کی رباعیاں بھی

اس کے مجموعہ میں شامل ہیں۔

سرمد | ہندوستان میں مسلمانوں کے وارد ہونے کے بعد سے

یہاں بھی عربی فارسی کا چرچا ہو گیا تھا سلاطین اور امرا کی زبان فارسی

تھی اور سب اہل علم کی قدر کرتے تھے اس وجہ سے ایران سے برابر علما
اور شعرا کسب معاش کی غرض سے یہاں آیا کرتے تھے اور بعض یہیں رہجاتے
تھے اورنگ زیب کے عہد میں ایک شاعر سرمد نام ایران سے بسلسلۂ تجارت
ہندوستان آیا اور بالآخر یہیں کا ہوگیا یہ کاشان یا آرمن کا رہنے والا
تھا اور نسلاً یہودی یا عیسائی تھا لیکن آغاز عمر ہی میں مسلمان ہوگیا تھا
۱۰۷۰ھ ہجری میں داراشکوہ کی طرفداری کے الزام میں قتل کیا گیا اسکی
رباعیاں بھی عشق حقیقی اور مجازی دونوں سے متعلق ہیں اس کا مجموعہ بھی طبع ہوگیا ہے۔

دیگر رباعی گو | متذکرۂ صدر رباعی گو تو فارسی کے ممتاز رباعی گویوں
میں شمار کیے جاتے ہیں لیکن ان کے علاوہ کچھ غیر معروف رباعی گو بھی ہیں
جن کا ذکر اور کلام صرف تذکروں میں موجود ہے اور بہت کم لوگ انکے

نام سے واقف ہیں زمانہ ان کے ساتھ ان کے کلام کو بھی فنا کر چکا۔ تذکروں میں اکثر ایسے شعرا کے کلام کا انتخاب موجود ہے جس کو دیکھکر انکے کمال کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ سمجھ میں آتا ہے کہ بیشک انھوں نے اپنے زمانہ میں کافی شہرت حاصل کی ہوگی اور یہ اپنے عہد کے استاد ہونگے اس مختصر مقدمہ میں ہم چند سطریں ان کی بھی نذر کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان کی یاد ازسرنو تازہ ہو جائے۔

سید محمد جامہ باف آپ مشہد مقدس کے سادات سے تھے آپ کو بھی عرفا اور اولیا کی طرح رباعی گوئی کا شوق تھا تخلص آپ کا فکری بتایا جاتا ہے اور آپ میر رباعی مشہور ہیں ہندستان بھی تشریف لائے تھے ۹۷۳ھ میں وفات پائی۔

درویش مقصود تیرگر | ہرات کے رہنے والے تھے ابتدائے عمر میں مشہد مقدس چلے گئے وہاں تیرگری کرتے اور فقر و فاقہ میں بسر کرتے تھے رباعی خوب کہتے تھے اور اہل خراسان ان کو استاد جانتے تھے کمال اسمٰعیل کے معاصر تھے اور ان کی رباعیوں کے جواب بھی کہا کرتے تھے۔

میر محوی | ہمدان کے رہنے والے تھے پھر نیشاپور میں سکونت اختیار کی آخر ہندوستان گئے اور وہاں سے پھر وطن واپس چلے آئے۔

مولانا مومن حسین | مومن تخلص کرتے تھے نیرد کے رہنے والے تھے مختلف علوم و فنون کے ماہر تھے۔ بجز خواص کے عوام سے راہ و رسم نہ رکھتے تھے۔ میرزا جان شیرازی کے شاگرد تھے اور رباعی کہتے تھے۔

ان رباعی گویوں کے ذکر سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ فارسی زبان

میں صرف اتنے ہی رباعی کہنے والے تھے نہیں بلکہ قریب قریب تمام شعرائے ایران و ہندوستان نے دیگر اصناف شعر کے ساتھ ساتھ رباعی گوئی بھی کی اور یہ لوگ جن کا ہم اوپر ذکر کر چکے یا تو محض رباعی کہتے تھے یا رباعی گوئی میں درجۂ امتیاز رکھتے تھے دیگر شعرائے غزل گو یا قصیدہ گو کے دیوانوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے ہر صنف میں طبع آزمائی کی ہے مگر امتیاز اور خصوصیت صرف ایک ہی صنف میں حاصل ہوئی مثلاً انوری خاقانی اور قاآنی قصیدہ گوئی میں ممتاز ہیں لیکن رباعیاں انھوں نے بھی نظم کیں۔ فردوسی۔ نظامی اور رومی مثنوی کے بادشاہ ہیں مگر رباعیاں ان کی بھی موجود ہیں۔ حافظ اور سعدی پیغمبر غزلگوئی سمجھے جاتے ہیں مگر ان کی بھی رباعیاں ان کے کلیات میں ملتی ہیں

اور ان شعرا کی اکثر رباعیاں ایسی بھی ہیں جو خیام اور ابو سعید کی رباعیوں

میں مل کر اپنے کو اجنبی ثابت نہیں کرتیں۔

اُردو کی رُباعیاں

فارسی زبان اور فارسی شاعری ہندوستان میں آنے سے قبل مکمل

ہو چکی تھی شعرائے ایران جو ہندوستان آکر آباد ہو گئے تھے اور شعرائے ہند

جنھوں نے انھیں ایرانیوں سے فارسی سیکھی تھی دونوں فارسی کی ہر صنف

میں نظم کرتے تھے ہندوستانیوں اور ایرانیوں کے اختلاط سے ایک نئی

زبان عالم وجود میں آگئی جو اردو کہلائی۔ کچھ عرصہ تک زبان عوام میں محدود

رہی اور شاعروں نے کوئی توجہ اس کی جانب کی بالآخر شاہان دکن نے

اس کو ترقی دینا شروع کی امرا اور سلاطین کی توجہ سے شعرا بھی پیدا

ہونے لگے نمونہ کیلئے شعرائے فارسی کا کلام تو موجود ہی تھا زبان میں الفاظ بھی بہت کچھ فارسی کے تھے اردو کے شاعروں کو زیادہ دقت نہیں ہوئی اور انھوں نے ابتدا ہی سے تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی شروع کردی یہی سبب ہے کہ ہم کو اردو میں ابتدا ہی سے مرثیے مثنویاں قصیدے غزلیں اور دیگر نظمیں ملتی ہیں ۔

ادب اردو کا اب تک کوئی شاعر ایسا نہیں پیدا ہوا جس نے تمام اصناف سخن سے قطع نظر کر کے صرف رباعی ہی نظم کی ہو بلکہ ہمارے شعرا نے قصیدہ غزل مثنوی یا مرثیہ پر کل قوت صرف کردی اور ضمناً رباعیاں بھی نظم کیں شعرا کے دیوان اور کلیات کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قریب قریب ہر شاعر نے دیگر اصناف نظم کے ساتھ ساتھ رباعیاں

بھی کم و بیش ضرور کہی ہیں لیکن ابو سعید۔ افضل۔ خیام وغیرہ کی طرح

اردو میں ایک شاعر بھی ایسا نہیں ملتا جس نے صرف رباعیاں،

کہی ہوں اور دوسرے اصناف نظم کو ترک کر دیا ہو۔

خیام کا مسلک جس کی اس نے اپنی رباعیوں میں تبلیغ کی ہے

مغرب کے آزاد اور زندہ دل لوگوں کے طبائع کے موافق ثابت ہُوا

اس لئے اہل مغرب نے ان رباعیوں کو بہت پسند کیا اور ان کو

ترقی دینا شروع کی اور انہیں کے ساتھ اور فارسی رباعی نگاروں کی

رباعیاں بھی طبع ہوتی گئیں ورنہ صرف خیام کی رباعیوں کی تو ہر عہد

میں قدر کی گئی باقی اور لوگوں کی رباعیاں کتب تذکرۂ شعرا کی

جلدوں کے باہر نہ آسکیں۔

شعرائے اردو نے رباعیوں میں بالعموم وہی مضامین باندھے ہیں جو وہ اپنی غزلوں میں نظم کیا کرتے تھے ان کی رباعیوں میں حمد و نعت و منقبت پند و نصائح تغزل تصوف اور جو جو مضامین غزلوں میں، ہوتے ہیں سب موجود ہیں بعض درباری شعرا کی رباعیاں ہنگامی واقعات بھی اپنے دامن میں لئے ہوئے ہیں۔

اردو شاعری کے متعلق یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ اس کی ابتدا کس صنف سے ہوئی شعرائے دکن اردو کے سب سے قدیم شاعر معلوم ہوتے ہیں ان کے کلام میں ہر طرح کی نظمیں موجود ہیں لیکن مرثیہ اور مثنوی کا عنصر زیادہ ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ دربار شاہان دکن سے تعلق رکھتے تھے اور شاہانِ دکن زیادہ تر مذہب اثنا عشری کے پابند

اور محبت اہلبیت میں غلو رکھتے تھے اس لئے وہ اپنے اعتقاد کے بموجب

ثواب آخرت حاصل کرنے کے لئے خود بھی مرثیہ کہتے تھے اور ان کی خوشنودی

کے لئے ان کے عہد کے شعرا بھی مرثیہ گوئی ہی میں مشغول رہتے تھے دکنی

شعرا کی مثنویاں بھی عموماً نعت منقبت اور غزوات رسول پر مشتمل ہیں بعض شعرائے

دربار کی مثنویاں بادشاہ وقت اور امرا کی مدح میں بھی ہیں شعرائے دکن کے

مصنفات میں رباعیاں ہم کو ابتدا ہی سے ملتی ہیں مگر شروع میں وہی

عاشقانہ رنگ کی ہیں آگے چل کر ولی کے زمانہ سے رباعیوں میں مصائب

خاندان رسول کا بھی ذکر شروع ہو گیا اور مرثائیہ رباعی کی ابتدا ہو گئی۔

پھر سودا اور میر کے عہد سے ہجو اور مدح بھی شامل ہو گئی اور اس طرح

اردو میں بھی رباعی کا بہت کافی لٹریچر ہو گیا۔

اردو کا پہلا رباعی گو وجہی | اردو کے سب سے پہلے شاعر جن کے
کلام میں ہم کو رباعیاں بھی ملتی ہیں بہ ظاہر وجہی معلوم ہوتے ہیں وجہی گولکنڈہ
کے نہایت قدیم اور اول درجہ کے اردو ادیبوں میں تھے ۔ یہ ابراہیم قطب شاہ کے
زمانہ میں پیدا ہوئے اور محمد قلی قطب شاہ کے دربار سے ان کا تعلق تھا جس کی
مدح میں ایک مثنوی "قطب مشتری" تصنیف کی جو اب تک موجود ہے یہ نظم و نثر
دونوں میں کمال رکھتے تھے انھوں نے کچھ رباعیاں بھی نظم کیں جن میں سے
دو "اردو شہ پارے" صفحہ ۹۶ پر درج ہیں یہاں ایک رباعی نمونہ کے طور پر
ہدیہ ارباب نظر کی جاتی ہے ۔

خوش حال ہو جیو آج خوشی پاتا ہین | پیتا ہوں شراب ہور آ شرا تا ہین
کانٹیاں کے صرب دستے ہیں پھول سب | تج باج سکی باغ نہ مجھے بہاتا ہین

ولی دکنی اردو کے دوسرے قدیم شاعر جن کے کلیات میں رباعیات بھی شامل ہیں ولی دکنی ہیں یہ احمد آباد گجرات کے رہنے والے اور شاہ وجیہ الدین کے خاندان سے تھے ان کی ولادت بہ عہد اورنگ زیب ہوئی اور محمد شاہ کے زمانے میں دلی میں آکر شاہ سعد اللہ گلشن کے مرید اور شاگرد ہوئے یہ کوئی تعلیم یافتہ آدمی نہ تھے البتہ صحبت یافتہ ضرور تھے۔ خاندانی تعلیم اور حسن صحبت سے کم علمی ظاہر نہیں ہونے پاتی تھی تصوف میں ایک چھوٹا سا رسالہ بھی تصنیف کیا جس کا نام "نور المعرفت" رکھا اور ایک دیوان اشعار مرتب کیا جس میں غزلیں رباعیاں قطعے مخمس وغیرہ ہیں رباعیات عموماً تغزل اور تصوف میں کہیں لیکن ایک رباعی رثائیہ بھی موجود ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رثائیہ رباعیاں ولی کے زمانہ سے نظم ہونے لگی تھیں۔ ملاحظہ ہو

کونیں حسن حسین کا ممنوں ہے — اس یاد سوں عشرت کا سینہ محزوں ہے
ایسوں کے اوپر وار کہا داغ فلک — جس داغ سوں لالہ کا جگر پر خوں ہے

سودا اور ہجو | دکنی کے بعد سودا اور میر زبان اور نظم اردو کے پیغمبر سمجھے جاتے تھے ان دونوں شاعروں نے بھی رباعیاں کثرت سے نظم کیں ۔ مگر دیگر اصناف شعر کے ساتھ ساتھ ضمناً کہیں سودا قصیدہ اور ہجو کے بادشاہ تھے اور میر تغزل تصوف کے اور یہی مضامین ان کی رباعیوں میں بھی پائے جاتے ہیں سودا نے بعض رباعیاں بادشاہ وقت اور روسا کی مدح میں کہی ہیں اور بعض اپنے معاصرین کی ہجو میں انکے علاوہ تغزل و تصوف اور پند و نصائح میں بھی بکثرت ہیں ۔

سودا کے معاصر ایک مولوی ندرت کشمیری تھے جو اکثر ان کی ہجو کہا

کرتے تھے اور اپنے دیگر معاصرین کی بھی ہجو کہتے تھے مرزا صاحب ایک
رباعی انہیں باتوں کو پیش نظر رکھ کر ان کی ہجو میں فرماتے ہیں :۔

گر ہجو پہ سودا کی اسے رغبت ہے | کرنے دو کہ گیدی کے تئیں حجت ہے
موزوں نہ کرے شعر کو اپنے احمق | کرتا پھرے ہجو لوگوں کی ندرت ہے

نا ہداں ریائی کی اکثر شعرائے فارسی و اردو نے خبر لی ہے سودا نے
بھی اپنی غزلوں اور دوسری نظموں میں ان کی ہجو میں بہت سے اشعار کہے
ہیں یہاں ہم ایک رباعی جو ایسے زاہدوں کی ہجو میں ہے پیش کرتے ہیں

اے شیخ حرم تک نہ تجھے جانا آنا | یہ طوف جولاہے کا ہے تانا بانا
پہچانے گا واں کیا اسے حیراں ہوں میں | جس کو حرم دل میں نہ تئیں پہچانا

میر | میر تقی میر کی رباعیوں میں بھی ان کی غزلوں کی طرح تصوف

اور تغزل زیادہ ہے کچھ رباعیاں حمد و نعت اور پند و نصائح میں لکھی ہیں بعض بے ثباتی دنیا کے متعلق ہیں اور کچھ رثائیہ بھی میر صاحب کی ایک رباعی جو تغزل میں ہے ملاحظہ ہو۔

پردہ نہ اٹھاؤ بے حجابی نہ کرو | ہووے گی قیامت اک شتابی نہ کرو
عالم عالم بسی ہے خلق عالم | برباد نہ دو ابھی خرابی نہ کرو

ایک رثائیہ رباعی مصائب سید الشہدا علیہ السلام میں اس طرح فرماتے ہیں۔

اترا تھا غبار نہ کنارے آکر | لب خشک ہوا سو نور چشم حیدر
ترحلق دم آب سے اس کا نہ ہوا | اے آب فرات خاک تیرے سر پر

حضرت خواجہ میر درد نے بھی کچھ رباعیاں نظم فرمائی ہیں نمونہ کی رباعی ملاحظہ ہو

رباعی

مدت تئیں باغ و بوستاں کو دیکھا | یعنی کہ بہار اور خزاں کو دیکھا
جوں گل کب تلک پریشاں نظری | اب موند لے آنکھ بس جہاں کو دیکھا

میر حسن | مرزا رفیع سودا اور میر تقی میر کے معاصر اور متبع اپنے اخلاف کے استاد اسلاف کا فخر جناب میر غلام حسن صاحب حسن مصنف مثنوی "سحر البیان" ہیں آپ کی ولادت دہلی میں اور وفات لکھنؤ میں ہوئی۔ عمر کا زیادہ حصہ فیض آباد میں بسر ہوا دنیائے شاعری میں آپ کی شہرت مقبولیت آپ کی مثنوی مذکورہ کی بدولت ہے، درحقیقت آپ تمام اصناف نظم پر قادر تھے جس کے ثبوت میں آپ کا کلیات موجود ہے اس میں متعدد مثنویاں دیوان غزلیات رباعیات قصائد مسمط ترجیع بند اور ابیات شامل ہیں شریں اردو شعرا کا تذکرہ مرتب کیا جو طبع بھی ہو گیا ہے آپ نے مرثیے اور سلام بھی نظم کیے مگر وہ بہت کمیاب ہیں کلیات میں آپ کی رباعیاں سو سے متجاوز ہیں جن میں زیادہ تر حمد و نعت و منقبت و مرثیت تصوف

پند و نصائح اور مدح پر مشتمل ہیں ایک کثیر تعداد پسران اہل حرفہ کی مدح میں ہے

ناظرین کی دلچسپی کے لئے ہم یہاں چند رباعیاں مختلف موضوع کی حوالہ

قرطاس کرتے ہیں۔ وحدت وجود کے متعلق ایک رباعی اس طرح فرماتے ہیں

ظاہر بھی تو ہی ہے اور نہاں بھی تو ہی | معنی بھی تو ہی ہے اور بیاں بھی تو ہی
دونوں عالم میں تجھ سوا کوئی نہیں، | یاں بھی تو ہی ہے اور وہاں بھی تو ہی

واقعات کربلا کے متعلق کئی رباعیاں ہیں ہم یہاں صرف ایک رباعی پیش کرتے ہیں۔

کیا وحش و طیور انس و جان عالم میں | جو ہیں سو حسن وہ روتے ہیں اس غم میں
روشن نہ سمجھ صبح پر قندیلیں | جلتے ہیں یہ دل حسینؑ کے ماتم میں

چند رباعیاں نواب شجاع الدولہ بادشاہ اودھ کے انتقال پر نظم کیں جن میں

سے ہم ایک رباعی یہاں درج کرتے ہیں اس رباعی میں ایک خصوصیت

یہ بھی ہے کہ اس سے اس دن کی موسمی کیفیت بھی معلوم ہوتی ہے :-

دیتے تو دیا فلک نے صدمہ حسین | پر ابر کے ہونے سے یہی تھا روشن
یہ دیکھ کہ ماتم شجاع الدولہ | اس نے بھی لیا تھا اپنے منھ پر دامن

پسران اہل حرفہ کی ہجو میں کثرت سے رباعیاں ہیں ہم یہاں ایک رباعی جو

پسر گازر کی ہجو میں ہے تحریر کرتے ہیں :-

اس دھوبی کے لڑکے کو جو میں کل پایا | دل ہاتھوں سے اسکے اپنا بیکل پایا
کیا جانیئے میل خاطر اس کی کیا ہے | جی جامہ کو اس نے جو مرے کلپایا

اس رباعی میں "دھوبی" "میل" "جامہ" "اور کلپایا" میں صنعت مراعات النظیر

ہے اور "کل پایا" "بیکل پایا" "اور کلپایا" میں صنعت تجنیس ہے -

میر خلیق | میر حسن مرحوم کی رباعیاں ان کے کلیات میں محفوظ

ہونے کی وجہ سے پہچان لی گئیں لیکن باوجود کوشش میر خلیق مرحوم کی

رباعیاں دستیاب نہیں ہو سکیں اسکی کئی وجوہ ہیں اوّل تو یہ کہ شاعر ہر رباعی

میں اپنا تخلص لانا ضروری نہیں سمجھتا اس وجہ سے تمیز نہیں ہو سکتی دوسرے

یہ کہ رباعی میں جو ایک چھوٹی سی نظم ہوتی ہے ایک شاعر کے رنگ کا دوسرے

کے رنگ سے امتیاز کرنا بہت دشوار ہے خصوصاً جبکہ سب نے ایک ہی قسم

کے مضامین نظم کئے ہوں اور ایک ہی گھر اور ایک ہی خاندان کے

افراد ہوں اس لئے کہ اس میں تو زبان بھی بہت کچھ ملتی جلتی ہوئی ہوگی۔

ہمارے پاس ایک بیاض ہے جس میں میر انیس مرحوم اور ان کے اسلاف

و اخلاف کی اکثر رباعیاں لکھی ہوئی ہیں لیکن اُن میں امتیاز بہت دشوار ہے

صرف وہ رباعیاں جو کتابوں میں چھپی ہوئی موجود ہیں یا لوگوں کے سینوں میں

محفوظ ہیں پہچانی جا سکتی ہیں۔ ہم کو میر خلیق مرحوم کی صرف ایک سندی

رُباعی ملی ہے وُہ ہماری بیاض میں بھی موجود تھی مگر ہم لاعلم تھے ایک مرتبہ

جناب سید مسعود حسن صاحب رضوی ریڈر لکھنؤ یونیورسٹی سے تذکرہ کرنے

سے معلوم ہوا کہ وہ میر خلیق مرحوم کی ہے۔ اس کی سند یہ ہے کہ پروفیسیر

صاحب موصوف سے جناب آرزو صاحب نے بیان کیا ان سے ان کے

والد سید ذاکر حسین صاحب یاس مرحوم نے اور ان سے ان کے

استاد میر نواب صاحب مونس نے فرمایا کہ بھائی صاحب (میر انیس مرحوم)

اکثر فرمایا کرتے تھے کہ زبان جیسی باباجان (میر خلیق مرحوم) نظم کر گئے ہیں

ہم کو کبھی نہیں آئی اور اس کی مثال میں یہ رباعی سناتے تھے ملاحظہ ہو۔

عابد جو اٹھا کے رنج و ایذا آئے	اک شور ہوا کہ شاہ والا آئے
ہمجولیاں آئیں تو کہا صغرا نے	کچھ تم نے سنا ہمارے بابا آئے

نسخہ بدل تھا کہ وطن میں شاہِ والا آئے۔

میر خلیق مرحوم کا زمانہ مرثیہ کے شباب کا زمانہ تھا وہ پرانا فقرہ "بگڑا شاعر مرثیہ گو" اس زمانہ کے مرثیہ گویوں پر صادق نہیں آتا تھا بلکہ مرثیہ گوئی ان حدود سے گزر کر بام ترقی پر پہونچ گئی تھی میر خلیق مرزا فصیح میاں دلگیر اور میر ضمیر کے مرثیے ادب اردو کے جواہر اپنے دامن میں لئے ہیں یہ مرثیے فصاحت و سلاست و محاورات تخئیل و محاکات اور صفائی بندش و حسن ادا کے اچھے خاصے نمونے ہیں اور روایات کا مجموعہ اور مناقب و مصائب اہلبیت کا مخزن ہیں اس عہد کی رباعیاں بھی ایسی ہی ہیں میر خلیق مرحوم کی ایک رباعی بڑی مشکل سے دستیاب ہوئی جو اس سے قبل درج کی گئی :-

میر ضمیر کی کچھ رباعیاں ان کے مراثی کی جلدوں میں طبع ہوئی ہیں ان رباعیوں سے بھی اس زمانہ کے مذاق شاعری و مرثیہ گوئی کا اندازہ ہوتا ہے

مرثیہ کا عروج اور اس کا رباعی سے تعلق | شاہان اودھ مذہب امامیہ

کے پابند تھے اور امراء و رؤسا بھی علی العموم شیعہ تھے غیر شیعہ حضرات بھی متعصب

نہ تھے عزاداری بڑے جوش و انہماک سے ہوتی تھی شیعوں کے علاوہ اہلسنت

و اہل ہنود بھی تعزیہ رکھتے تھے اور مجلسیں کرتے تھے اور ان مجالس میں

عموماً مرثیہ خوانی ہوتی تھی۔ اس زمانہ میں مرثیہ خوانی کے دو طریقے تھے

ایک طریقہ تحت اللفظ خوانی کہلاتا تھا جو غالباً اسی زمانہ کے قریب

شروع ہوا تھا اور دوسرا طریقہ سوز خوانی کہلاتا تھا جو بہت پرانا طریقہ تھا

تحت اللفظ خوان اپنا یا کسی دوسرے[۵] مرثیہ گو کا تصنیف کیا ہوا مرثیہ منبر پر

---

[۵] یہ ضروری نہ تھا کہ مرثیہ خوان (تحت اللفظ خواں) مرثیہ گو بھی ہو بعض لوگ مرثیہ خوانی سیکھ کر کسی مرثیہ گو سے اس کا پرانا اور کبھی بار کا پڑھا ہوا مرثیہ مانگ لیتے تھے اور مجالس میں جا کر بڑے زور شور سے پڑھتے تھے سامعین ان کے پڑھنے کی تعریف کرتے اور رونے کے محل پر روتے بھی تھے چنانچہ میر انیس کے مرثیہ خوان شاگردوں میں سید محمد میر صاحب بہترین پڑھنے والے تھے یہ مرثیہ گو نہ تھے لیکن ان کا پڑھنا استاد سے بہت مشابہ تھا

بیٹھ کر ایک مخصوص انداز سے پڑھتا تھا اور آواز کی بلندی و پستی اور چشم

و ابرو کے اشاروں سے اپنے ہر مصرع کے مطالب و معانی کی صورتگری کرتا

تھا اور اپنی اس ایکٹنگ سے مجمع پر اثر ڈالتا تھا اور اپنے کمال خوانندگی

سے پوری مجلس کو اس طرح قابو میں کر لیتا تھا کہ جب چاہتا تھا مجلس میں

واہ واہ سبحان اللہ ہونے لگتی تھی اور جب گریہ کا محل آتا تھا تو پورا مجمع

بے اختیار رونے لگتا تھا اور سامعین کی آنکھوں میں واقعات کربلا کا

نقشہ کھنچ جاتا تھا۔ ؎۱۵

مرثیہ خوانی کا دوسرا طریقہ جو سوز خوانی کہلاتا ہے اس کا تعلق لحن

؎۱۵ مؤلف کے بعض بزرگ جو مجلس میں موجود تھے بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میر نفیس مرحوم دلارام کی بارہ دری میں مجلس پڑھ رہے ہیں اور اہل مجلس خوب توجہ سے سن رہے ہیں کہ میر نفیس نے یہ مصرع پڑھا "وہ گرد وہ اٹھی وہ جگر بند بوتراب آیا" اور ہاتھ سے ایک سمت اشارہ کیا پوری مجلس اسی طرف مڑ کر دیکھنے لگی۔ یہ تھی کلام اور خوانندگی کی تاثیر کہ لوگ گویا مسحور ہو جاتے تھے۔

اور فن موسیقی سے ہے بعض ماہرین فن موسیقی گانے بجانے سے توبہ
کرکے سوز خوانی کرنے لگتے تھے مرثیہ گو ان لوگوں کو چھوٹے چھوٹے
مرثیے لکھکر دیدیتے تھے اور یہ لوگ مجلسوں میں جا کر اُن مرثیوں کو قواعد
موسیقی میں ادا کرتے تھے اور اہل مجلس کو رُلاتے تھے لہ۔

تحت اللفظ خوانوں اور سوز خوانوں نے یہ اصول بنا لیا تھا کہ
ذاکری کی ابتدا رباعیوں سے کرتے تھے اسکے بعد ایک یا دو سلام پڑھتے
تھے اور آخر میں مرثیہ پڑھا جاتا تھا مرثیہ شروع کرنے سے قبل رباعیاں
اور سلام صرف مجلس کو متوجہ کرنے کے لئے پڑھتے تھے اس اصول پہ

لہ ہر سوز خوان کے ساتھ چار آدمی یا کم از کم دو آدمی اور ہوتے ہیں جو اسکے دونوں
پہلوؤں پہ بیٹھتے ہیں یہ اُس کے بازو کہلاتے ہیں اور ایک طرح کے مددگار ہوتے ہیں مجلس میں
انکے لئے ایک چوکی بچھائی جاتی ہے جسپر یہ لوگ بیٹھکر پڑھتے ہیں سوز خوان صرف مجالس عزا
پڑھتے ہیں محافل عیش و نشاط میں نغمہ سرائی نہیں کرتے۔

یہ لوگ اب بھی ایک حد تک عامل ہین مرثیہ خوانوں کے اس اصول اور اس کی پابندی سے رباعی کے لٹریچر مین بہت بڑا اضافہ ہو گیا اور ہر مرثیہ گو کی متعدد رباعیاں بھی عالم وجود میں آگئین مرثیہ گو عموماً غزل کم کہتے ہیں اور اگر کہتے بھی ہیں تو ان کو مشہور نہیں کرتے انکے کلیات مرثیہ سلام اور رباعیات پر مشتمل ہوتے ہیں[1] ۔

انیس و معاصرین میر انیس میر انیس ۱۲۱۹ھ میں فیض آباد محلہ گلاب باڑی میں پیدا ہوئے وہیں مختلف علوم و فنون کی تعلیم حاصل کی ابتدائی تعلیم ان کے پدر عالی مرتبت جناب خلیق نے

---

[1] سلام غزل کے طرز کی دس بارہ شعر کی نظم ہوتی ہے جس میں اخلاقی مضامین اور فضائل و مصائب آل رسولؐ نظم کیے جاتے ہیں پیشتر یہ نظم لفظ سلام یا مجرا یا سلامی یا مجرئی سے شروع ہوتی تھی اب اس کی پابندی نہیں رہی سلام رباعی اور مرثیہ کے درمیان پڑھا جاتا ہے ۔

دی اسکے بعد اور صاحبان کمال سے درسی کتابیں پڑھتے رہے
انیس نے علاوہ کتابی تعلیم کے مناظر فطرت سے بہت کچھ سبق لیا
تھا شعرائے اردو میں میر انیس کا ایسا قوانیں فطرت کا ماہر اور علم النفس
کا عالم مشکل سے کوئی دوسرا نکلے گا۔ ان کے پیش نظر اساتذہ اردو
و فارسی کا کلام تھا گھر میں علم ادب کا ہر وقت چرچا رہتا تھا ان
سب کے ساتھ ان کی خداداد ذہانت نے ملکر ان کو شاعری کے
فلک الافلاک پر پہونچا دیا تھا جہاں ابتک کوئی دوسرا نہیں پہونچ سکا
میر انیس کے زمانہ میں مرثیہ گوئی اور مرثیہ خوانی معراج کمال پر
پہونچ گئی تھی شاعری اور مرثیہ گوئی کے قدردان موجود تھے جس کی
طبیعت میں ذرا بھی موزونی ہوتی تھی وہ شاعر بنجاتا تھا اور جو شخص کچھ

پڑھا ہوا بھی ہوتا تھا وہ مرثیہ خوانی کرنے لگتا تھا۔ میر انیس کے

عہد میں بہت شعرا اور مرثیہ گو تھے لیکن ان میں صرف چند شعرا

کا کلام جس میں باقی رہنے کی صلاحیت تھی باقی رہا ورنہ بیشتر شعرا

کا کلام بھی ان کے ساتھ ہی ساتھ فنا ہو گیا اور فنا ہوتا جا رہا ہے

انیس کے معاصرین میں مرزا دبیر مرثیہ گویوں میں خاص درجہ رکھتے تھے

اور غزل گویوں میں مرزا غالب آتش اور ناسخ بلند پایہ کے شعرا تھے

ان شعرائے غزل گو کی رباعیاں عموماً عاشقانہ اور ہنگامی ہیں اور

زیادہ تر بادشاہ وقت اور روسا کی مدح یا شکریہ یا شکایت یا معذرت

میں ہیں مرثیہ گویوں کی رباعیوں میں دنیوی معاملات کمتر ہیں اور عموماً

مذہبی حیثیت رکھتی ہیں ان میں فضائل و مصائب اہلبیت نظم ہیں

یا صوفیانہ اور اخلاقی مضامین مرزا دبیر صاحب مرحوم اور میر عشق صاحب
مرحوم کی رباعیاں بھی کثیر التعداد ہیں جو ان کے مرثیوں کے ساتھ طبع
ہوئی ہیں۔ یا لوگوں کے پاس قلمی بیاضوں میں موجود ہیں :-

متحد المضمون رباعیان | ان حضرات کی بہت سی رباعیاں
متحد المضموں ہیں جن کو پڑھ کر یہی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے مصنفین
نے ان کو مقابلتہً نظم کیا ہے اور بظاہر یہ اس طرح ہے کہ ایک مضمون
کسی شاعر نے نظم کر کے پڑھا اس کے حریف کو اس کی اطلاع ہوئی اگر
مضمون پسند آیا تو اس نے بھی طبع آزمائی کی اور اکثر اوقات بہتر نظم
کیا۔ یہ مقابلہ میر انیس اور مرزا دبیر میں بیشتر ہوتا رہا میر عشق نے بھی مقابلہ
کی رباعیاں کہیں مگر بہت کم۔ کچھ رباعیاں ان حضرات کی ایک دوسرے

کی تعریض اور چوٹ میں بھی ہیں اس مجموعہ میں متحد المضمون اور جوابی رباعیاں خطِ
خفی اسی رُباعی کے نیچے تحریر کر دی گئی ہیں جس کا وہ جواب ہے، لیکن
ہماری غرض اس سے کوئی موازنہ نہیں ہے اور نہ ہمارا ارادہ تنقید کرنے کا
ہے یہ کام ہمنے ناظرین کے لئے چھوڑ دیا ہے :-

مُعاصرین کی رُباعیوں کا انہیں کی رُباعیوں کے ساتھ اختلاط

کاتبوں اور اہل مطابع نے اردو لٹریچر پر ایسا دستِ ظلم دراز کیا ہے کہ مشکل سے
اُردو زبان کی کوئی کتاب غلطیوں اور تحریفوں سے پاک نظر آئے گی سب سے
زیادہ مراثی کی جلدیں اس مصیبت میں مبتلا ہیں مرزا صاحب کے مرثیوں
کے بند میر صاحب کے مرثیوں میں شامل کر دئے ہیں اور میر صاحب کے
مرثیوں کے مرزا صاحب کے مرثیوں میں اسی طرح متعدد رباعیاں ایسی ہیں

جو مرزا صاحب کی جلد میں بھی موجود ہیں اور میر صاحب کے یہاں بھی

بعض رباعیاں انیس کی جلد میں بھی چھپی ہوئی ہیں اور مونس کے یہاں بھی

موجود ہیں کچھ رباعیاں ایک طرح پر انیس کی جلد میں چھپی ہیں اور معمولی تغیر

سے دبیر یا مونس کی جلد میں بھی لکھی ہوئی ہیں ان رباعیوں کا امتیاز

بہت مشکل تھا بہرحال ہم نے امکانی کوشش سے دریغ نہیں کیا اور پرانی

بیاضوں اور نسخوں کا مطالعہ اور مقابلہ کر کے اور بزرگوں سے تحقیق کر کے

جو رباعیاں یقینی طور پر میر انیس کی معلوم ہوئیں وہ اس مجموعہ میں درج

کر دیں اور جو دوسرے شعرا کی طرف بھی منسوب نظر آئیں وہ اس

مجموعہ میں شامل نہیں کی گئیں یا ان کے متعلق فٹ نوٹ تحریر کر دیا

گیا۔ ان احتیاطوں کے باوجود ممکن ہے کہ دوسرے شعرا کی بعض رباعیاں

اس تحریر میں شامل ہوگئی ہوں۔

رُباعیاتِ میر انیس

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ شعرائے اردو نے رباعی کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی انھوں نے دُوسری نظموں پر مستقلاً اپنی کل قوت صرف کی اور ضمناً کچھ رباعیاں بھی نظم کرلیں یہی دستور مرثیہ گویوں کا بھی ہمیشہ رہا لیکن جب سے مرثیہ گویوں نے ہر مرثیہ کے ساتھ چند رباعیاں نظم کرکے پڑھنا اپنا شعار بنا لیا اس وقت سے ہر مرثیہ گو کی کثیر تعداد میں رباعیاں جمع ہوتی گئیں میر انیس مرحوم بھی ہمیشہ اسی دستور کے پابند رہے اور اپنے اسلاف اور متقدمین شعرا کی طرح انھوں نے بھی رباعیوں کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ وہ عموماً مرثیہ کی تصنیف سے فرصت پانے کے بعد

اور بعض اوقات مجلس میں جاتے وقت سلام اور رباعیاں نظم کرتے

تھے کبھی راہ میں نظم کر لیتے تھے اور مجلس میں جا کر پڑھ دیتے تھے بعض

رباعیاں مجلس میں پہونچ کر اور مجمع کو دیکھکر نظم کی ہیں :۔

رُباعیوں کی تقسیم | آسانی کیلئے ہم نے میر انیس کی رباعیوں کو

تین حصّوں میں تقسیم کر دیا ہے (۱) مذہبیات (۲) اخلاقیات (۳) ذاتیات

حالانکہ ان کی کل رباعیاں مذہبیات ہی کے تحت میں آتی ہیں اول الذکر

میں حمد و نعت منقبت اور معتقدات و مراثی شامل ہیں ۔

حمد کی رُباعیوں میں کچھ صوفیانہ مذاق کی ہیں اور کچھ جناب رب العزت

کے صفات سے متعلق ہیں مثلاً اس کی صفت رزاقی ۔ ستاری غفاری

جود و کرم رحم و عدل وغیرہ نعت میں جناب رسول مقبول کے فضائل

میں چند رباعیاں ہیں اور منقبت میں چند حضرت امیر المومنینؑ کے متعلق چند رباعیوں میں جناب رسولِ خدا اور جناب امیر علیہما السلام کے فضائل مشترک طور پر نظم ہیں۔ کچھ رباعیاں امام حسین علیہ السلام اور شہدائے کربلا کے فضائل میں ہیں اور ایک ائمہ اثنیٰ عشر کی مدح میں ہے۔

معتقدات ایک بڑی تعداد رباعیوں کی معتقدات میں ہے جن میں زیارت کربلا و نجف کے فضائل زمین کربلا و نجف میں دفن ہونے کے فضائل زائرین کے فضائل خاک کربلا و نجف کی فضائل عزاخانہ کے فضائل ذاکرین اور سامعین اور شرکائے مجالس کے فضائل کا تذکرہ ہے۔

میر انیس کے مذہبی عقائد بالکل وہی تھے جو ایک شیعہ مسلمان

کے ہونا چاہئیں وہ خدا کو وحدہٗ لاشریک رحیم و کریم قادر مطلق۔ رزّاق"
عادل اور تمام صفات ثبوتیہ سے متصف اور سلبیہ سے بری جانتے
تھے جناب محمد مصطفیٰ کو اس کا نبی آخر سمجھتے تھے اور آنحضرت کے
جتنے فضائل کتب تاریخ و حدیث میں منقول ہیں ان پر اعتقاد رکھتے تھے
آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد حضرت علی علیہ السّلام اور گیارہ
اماموں کو رسولؐ کا جانشین سمجھتے تھے رسولؐ اللہ اور ان کے اہلبیت کو
تمام انبیائے سلف سے افضل جانتے تھے اور ان کی عصمت پر ایمان
رکھتے تھے۔ امام حسین علیہ السّلام پر گریہ کرنا واجب جانتے تھے اور
مجلس عزا کی بنا اور عزاداری اہل اسلام کا فرض سمجھتے تھے۔ ان کے
مرثیے سلام اور رباعیاں ان کے اعتقادات پر شاہد ہیں۔ اُن کا

عقیدہ تھا کہ زندگی میں جتنا زیادہ زیارت کربلا و نجف سے مشرف ہو
آخرت میں اس کا اجر زیادہ ہوتا جائے گا۔ اور اگر نجف اشرف یا
کربلائے معلیٰ میں قبر نصیب ہو تو زہے نصیب۔ انیس کی تمام عمر یہی
آرزو رہی جس کا انھوں نے اپنی رباعیوں میں مختلف عنوانوں سے ذکر کیا ہے۔
مذکورۂ بالا مضامین ایک مخصوص فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں لیکن
میر انیس کی مضمون آفریں طبیعت نے ان میں بہت کچھ ندرت اور تازگی
پیدا کر دی ہے انھوں نے ایک ہی موضوع میں مختلف مضامین
پیدا کئے اور ایک ہی موضوع کی ہر رباعی میں ایک جدید اور اچھوتا خیال
نظم کرکے ہر رباعی کو مستقلاً ایک تازہ تخییل کا حامل بنا دیا اس کا
نتیجہ یہ ہوا کہ اردو لٹریچر کے قدردانوں کے لئے بلا لحاظ مذہب و ملت

اُن کی ہر رباعی مقبول و مطبوع ہو گئی مثلاً شوق زیارت کربلا و نجف فضیلت خاک کربلا و نجف فضائل گریہ مع عزادار مع چشم عزادار مع اشک عزادار اور اسی قسم کے دوسرے مضامین میر انیس کی قوت تخیل اور مضمون آفرینی سے ہر ایک کے لئے دلچسپ اور ہر ایک کے لئے مطبوع و مقبول ہو گئے

مصائب اہلبیت رسولؐ کے مصائب میں بھی میر انیس نے اتنی رُباعیاں کہی ہیں کہ اگر سب رباعیاں بالترتیب ایک جگہ جمع کی جائیں تو مصائب اہلبیت کا ایک مکمل مقتل تیار ہو جائے[1] ان میں شہادت امیر المومنین علیہ السلام کے متعلق چند رباعیاں ہیں اس کے بعد امام حسین علیہ السلام کی مدینے سے روانگی کربلا میں داخلہ اہلبیت پر کھانے پانی کی

---

[1] موجودہ مجموعۂ رباعیات اسی طرح ترتیب دیا گیا ہے :-

بندش امام حسین علیہ السّلام کی حضرت زینبؑ سے رخصت شہادت حضرت عباسؑ و حضرت علیؑ اکبر و علی اصغر و قاسمؑ ابن حسنؑ، شہادت حرؑ ابن یزید ریاحی اور شہادت پسران مسلمؑ آخر میں حضرت عابد علیہ السّلام کا مصائب امام حسین علیہ السّلام پر تا دم حیات گریہ کرنا اور اسی طرح کے دیگر مصائب آل رسولؐ سے متعلق بہت سی رباعیاں ہیں :-

مواعظ و اخلاق تذکروں کو پڑھ کر اور بزرگوں سے سن کر ہمیں اس بات کا پورا علم ہو جاتا ہے کہ جن محاسن کی میر انیس نے تعلیم دی ہے وہ سب خود ان کی سیرت میں موجود تھے اور وہ ان پر عامل بھی تھے علاوہ مذہبی اور اعتقادی پابندیوں کے ان کی سیرت میں عجز و انکسار تواضع و خاکساری فقر و استغنا قناعت و توکل غیرت و حیا عزت نفس

اور صاحبان دولت سے بے پروائی نمایاں طور پر موجود تھی۔ ان کی رباعیاں بتاتی ہیں کہ وہ بجز خدا اور رسول اور اہلبیت کے رؤسائے دنیا کی مدح سرائی اپنے لئے ننگ و عار سمجھتے تھے اہلبیت کی مدح پر ان کو اتنا ناز ہے کہ اس کی بدولت وہ اپنے کو بڑے بڑے بادشاہوں سے افضل جانتے ہیں وہ اگر کسی مقام پر اپنی آپ تعریف کرتے ہیں تو محض اس خیال کے ماتحت کہ مداحی اہلبیت کی بدولت ان کو یہ مرتبہ نصیب ہوا ہے جیسا کہ رباعی مذکورۂ ذیل میں فرماتے ہیں۔

شہرہ ہر سو جو خوش کلامی کا ہے   باعث مدح امام نامی کا ہے،
میں کیا آواز کیسی پڑھنا کیسا   آقا یہ شرف تیری غلامی کا ہے،

ان کو عزت نفس کا اتنا خیال ہے کہ بڑے سے بڑے رئیس دربار شاہ

تک کا بار احسان اٹھانا اپنی ذلّت کا باعث جانتے ہیں اِن کے

حصول کے ماتحت فقر میں استغنا اور خدا کی دی ہوئی نعمت پر قناعت

انسان کے لئے کافی ہے۔ اسلئے وہ حرص و طمع اور ہوس دنیا کو

بُرا کہتے ہیں اور اہل دنیا کی خوشامد کو حقیر اور ذلیل بات سمجھتے ہیں اور

خلاف مردانگی تصور کرتے ہیں چنانچہ ذیل کی رباعی میں وہ اپنے اس

خیال کو ادا کرتے ہیں :-

قانع ہو جو کچھ ہمت مردانہ ہے کیوں صحبت اہل زر کا پروانہ ہے

حقا کہ شمار نعمت حق کے لئے جو دانہ ہے تسبیح کا اک دانہ ہے

ان کی نظر میں دنیا ایک رہگذر تھی اور یہاں کا جاہ و جلال اور متاع

و مال سب فانی اور ناپائدار اسلئے وہ دولت دنیا کی طرف نظر نہ کرتے

تھے اور نہ اہل دنیا کو نگاہ وقعت سے دیکھتے تھے ان کی نظر ہمیشہ عقبیٰ

کی طرف رہتی تھی اور اسی کو بہتر بنانا اپنا کارنامہ حیات اور مآل

زندگی جانتے تھے۔

وہ بہت سی برائیوں سے بچنے کی ہدایت کرتے ہیں مثالیں

دیکر ان کے نقصانات سے مطلع کرتے ہیں اور ان کے ترک کردینے

کی تعلیم دیتے ہیں مثلاً تندخو کی مذمت میں ذیل کے مصرعے قابل لحاظ ہیں۔

پاتا نہیں تندخو کدورت کے سوا　　　دامن میں ہوا کے کچھ بجز خاک نہیں

کبر و غرور کی مذمت اس طرح کرتے ہیں اور اس فعل سے باز رہنے کی اس طرح ہدایت کرتے ہیں

اتنا نہ غرور کر کہ مرنا ہے تجھے　　　آرام ابھی قبر میں کرنا ہے تجھے

رکھ خاک پہ سوچ کر ذرا پاؤں امیں　　　اک روز صراط سے گذرنا ہے تجھے

ایک دوسری رُباعی میں غرور کے متعلق یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

نازاں ہوئے تم پہن کے پوشاک سفید ٹہتی گئی دن رات سیاہی دل کی

ذاتیہ اس باب میں ایسی رُباعیاں ہیں جن کا کسی نہ کسی طرح لیسریؔ کی ذات سے تعلق ہے کچھ رباعیاں اس میں کی مواعظ و اخلاق میں بھی، شامل کر دی گئی ہیں۔ ذاتیہ رُباعیوں میں کچھ رُباعیاں تو ایسے مضامین کی ہیں جو عام شعرا کا معمول بہ ہیں مثلاً فخر و خود ستائی، حُساد کی شکایت زمانہ کی شکایت" اپنے مصائب و آلام" کسادبازاری اور اپنی بدنصیبی خود ستائی در اصل مذموم ہے لیکن شعرا کے لئے جائز سمجھی جاتی ہے اور شعرا کی زبان میں اس کو فخریہ کہتے ہیں تمام شعرائے عربی و فارسی و اُردو فخریہ اشعار کہے گئے ہیں اور ان پر کسی نے بد اخلاقی کا الزام نہیں لگایا جس طرح عرب میں ایک سپاہی

اپنے مدمقابل کے سامنے جا کر رجز پڑھتا تھا اور بہ فخر اپنی بہادری،
اپنے گھوڑے، اپنی تلوار، اور اپنے ہاتھ کی قوت کی تعریف کرتا تھا،
بالکل اسی طرح ایک شاعر بھی اپنی قادر الکلامی، اپنی زبان، اپنے
محاورات، اپنی تخئیل، اپنی مضمون آفرینی کی ستایش کرتا ہے۔ اور
جس طرح ایک سپاہی اپنے حریف مقابل کو ہیچ و پوچ کمزور پست ہمت
اور ہر طرح کی کمزوریوں کا مجموعہ سمجھتا تھا بالکل اسی طرح ایک شاعر بھی اپنے
حریف کو ہر جہت سے اپنے سے کمتر پست تر اور ذلیل سمجھتا ہے بلکہ
اس کا مقابل ہونا اہل دنیا کی بدمذاقی اور زمانہ کی کساد بازاری اور اپنے
اوپر ظلم خیال کرتا ہے لیکن میلزنیس نے اس خودستائی اور فخر کو برا سمجھتے
ہوئے بعض رباعیوں میں اس کا دفع دخل کر دیا ہے اور فرمادیا ہے کہ

مجھ کو نہ پڑھنا آتا ہے اور نہ نظم کرنا بلکہ یہ شہرت جو حاصل ہو گئی ہے

محض امام کی مدح سرائی اور غلامی کی بدولت ہے، جیسا کہ ہم نے اس سے

قبل ذکر کیا۔

شاہ اودھ کی طلب پر میر انیس کا انکار

میر انیس اپنے اصول کے پابند اور بات کے پکے تھے ان کے اصول کا ٹوٹنا اور انکے

منھ سے ایک بات نکل کر اس کا مسترد ہونا ناممکن تھا ایک مرتبہ واجد علی شاہ

بہادر بادشاہ اودھ نے اپنی کسی بیگم کی فرمائش سے بغیر میر انیس کو مطلع

کئے مجلس کے رقعے چھپوا کر تقسیم کر دیئے اور مجلس میں انیس کی خوانندگی

کا اعلان بھی کرا دیا۔ انیس کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی کہ بغیر ان کی اطلاع

کے کیوں ان کی ذاکری کا اعلان کیا گیا عین مجلس شروع ہوتے کیوقت

چوبدار مجلس میں بلانے آیا انیس نے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے وزیر کو بھیجا

اس پر بھی نہیں گئے آخر مجلس میں مرزا صاحب بلا کر پڑھوائے گئے۔

حیدر آباد میں دستار کا واقعہ | ایسا ہی حیدر آباد دکن میں اتفاق

ہوا امیر انیس کو نواب تہور جنگ مرحوم نے طلب کیا اور مہمان نوازی میں

کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اکثر امرا اور رؤسا انیس کے فرودگاہ پر

ملنے آئے بعض نے اپنے مکان پر دعوت کی مختار الملک وزیر نظام

نے بھی دعوت کی لیکن یہ شرط کر دی کہ درباری لباس میں تشریف

لائیں خود مختار ریاستوں میں یہ قاعدہ ہے کہ بادشاہ اور امرا اور رؤسا کے

دربار میں بغیر وہاں کی مخصوص دستار اور آداب لگائے باریابی نہیں ہو سکتی

بغیر ان چیزوں کے جانا دربار اور رئیس کی توہین سمجھا جاتا ہے لیکن

میر انیس کی عزت نفس کب گوارا کرتی تھی کہ وہ ان قیود کے ساتھ دربار میں جائیں

پھر جبکہ ان کو مختار الملک سے ملنے کی کوئی آرزو بھی نہ تھی انھوں نے فوراً جواب

دیدیا کہ "اگر مختار الملک انیس سے ملنا چاہتے ہیں تو انیس ان سے اپنے

معمولی لباس میں مل سکتا ہے کیونکہ انیس واجد علی شاہ کے سامنے بھی

درباری لباس میں نہیں گیا" غرضا بناوہی معمولی لباس کرتا اور چوگوشیہ

ٹوپی پہن کر ملاقات کی۔

لیکن اس خودداری اور عزت نفس کے باوجود وہ بادشاہ وقت سے

وفاداری اپنا فریضہ سمجھتے ہیں اور مسلمان بادشاہوں اور رئیسوں کا وجود

لوگوں کے لئے ضروری جانتے ہیں چنانچہ انتزاع سلطنت اودھ پر

وہ غمگین وملول نظر آتے ہیں اور ان کا ملال وغم فریاد دعا کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے

کیونکر دل غمزدہ نہ فریاد کرے　　　جب ملک کو چرخ پیر برباد کرے

مانگو یہ دعا کہ پھر خدا وند کریم　　　اجڑی ہوئی مملکت کو آباد کرے

وہ اہل حیدرآباد کی استدعا پر بہ غرض ذاکری حیدرآباد جاتے ہیں

رؤسا و شرفا ان کی مہمانداری اس حد پر کرتے ہیں جیسی کسی بڑے

رئیس کی ہو سکتی ہے اس پر میر انیس ایک رباعی بطور شکریہ اور ایک

دعائیہ یہیں نظم کر کے پڑھ دیتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی مہمان نوازی

کے عوض میں اگر شکریہ بھی نہ ادا کیا اور اہل حیدرآباد کے لئے دعا نہ کی

تو احسان فراموشی ہوگی محض اسی بنا پر فرماتے ہیں :-

اللہ و رسول حق کی امداد رہے　　　سرسبز یہ شہر فیض بنیاد رہے

نواب ایسا رئیس اعظم ایسے　　　یارب آباد حیدرآباد رہے

۱۸۵۷ء کے محاصرۂ لکھنؤ میں میرانیس نے اپنا وطن ترک نہیں کیا

میرانیس اس زمانہ میں محلہ سوٹھٹی میں ایک عالیشان مکان میں رہتے تھے

جسکے متعلق ایک امباڑہ بھی تھا جب محاصرہ کی خبریں سنیں اور لکھنؤ کی

بربادی کا حال معلوم ہوا تو متاثر ہوئے لیکن مکان چھوڑنے پر کسی طرح

راضی نہ ہوتے تھے بالآخر احباب اور اعزا کے بہیم اصرار سے رضامند ہوئے

گھر میں چار گڑھے کھدوائے اور تمام قیمتی سامان ان میں دفن کردیا ایک

رئیس نے زنانی سواریوں کے لئے پالکی بھیجدی تھی اس میں عورتوں

کو سوار کیا اور کاکوری کی راہ میں کسی باغ میں خیمے نصب کراکے متعلقین

فروکش ہوئے لکھنؤ کے اور رؤسا بھی انھیں باغوں میں مقیم تھے۔

لکھنؤ کا فساد جب ختم ہوگیا اور شہر میں امن وامان بدستور قائم ہوا تو

حکومت کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ لوگ اپنے مکانوں میں چلے آئیں

میر انیس بھی اپنے مکان واپس چلے آئے لیکن جو اسباب وہاں دفن

کر آئے تھے اس میں سے کچھ نہیں ملا۔ کچھ عرصہ اس میں قیام فرمایا تھا کہ

پھر گورنمنٹ کا حکم ملا کہ مکانات خالی کئے جائیں یہاں ریلوے اسٹیشن

تعمیر ہوگا۔ غرض میر انیس نے جبراً و قہراً مکان خالی کیا اور چوپداری محلہ

میں جو سبزی منڈی کے متصل اور چوک کی پشت پر واقع ہے ایک

مکان خریدا اور اسی میں تا دم مرگ سکونت پذیر رہے ہے۔

وفات | وہ جانتے تھے کہ موت کا آنا ضروری ہے اور کسی کو وقت معلوم

نہیں لہذا خود بھی مرنے پر آمادہ رہتے تھے اور دوسروں کو بھی تیار

رہنے کی ہدایت کرتے تھے ان کو عرصہ تک اپنے نہ مرنے اور اپنے

اہلِ قافلہ سے جدا رہنے پر تاسف ہے اور وہ اپنے اس افسوس کو کس

عمدہ پیرایہ میں ظاہر کرتے ہیں :-

پیچھے کبھی قافلے سے ہٹا نہ انیسؔ   اے عمرِ دراز تیری کوتاہی ہے

میر انیسؔ پہلے ہی سے اپنے دفن کا انتظام بھی کر گئے تھے مرنے سے

دو سال قبل پل گاماں کے متصل احاطۂ میر محمد خاں میں جو مکان مسکونہ

سے بالکل قریب ہے ۲۱ جولائی سنہ ۷۲ء کو میر فیض الدین حسین ولد میر حیدر حسین

خرادی سے مبلغ سو روپیہ کی زمین خریدی اور ۱۸ فروری سنہ ۷۳ء کو دفن ہونے

کے لیے حسبِ تجویز آغائی صاحب مرحوم لکھنؤ میونسپل بورڈ سے اجازت نامہ

حاصل کیا آخر رمضان سنہ ۱۲۹۱ھ میں دردِ سر اور تپ میں مبتلا ہو گئے

لکھنؤ کے نامور اطبا علاج میں مشغول رہے لیکن مرض بڑھتا گیا

جُوں جُوں دوا کی یہانتک کہ اسہال کبدی کی بھی شکایت ہو گئی اور

اور میر صاحب صحت سے مایوس ہو گئے چنانچہ خود فرماتے ہیں :۔

ہر لحظہ گھٹی جاتی ہے طاقت میری ۔۔۔ بڑھتی ہے گھڑی گھڑی نقاہت میری

امّا نہیں آئے رفتہ پھر جو ہیں انیس ۔۔۔ اب گئی ہوئی قوت ہے صحت میری

جب مرض کی اور زیادتی ہوئی اور ضعف اور بڑھا تو آواز بھی نکلنا

دشوار ہو گئی اس حالت کے متعلق فرماتے ہیں :۔

ہے سخت ملول طبع ناساز مری ۔۔۔ نوحہ ہے صدائے نغمہ پرواز مری

اللہ رے زور ناتوانی کا انیس ۔۔۔ آوازۂ مرگ ول ہے آواز مری

پھر جب اطبائے نسخہ نویس کے چہروں سے مایوسی ظاہر ہونے لگی

تو میر انیس نے ان کی بیچارگی کو پہچانا اور طبیبِ روحانی اور شافی مطلق

پھر بھروسا کر کے فرمایا:-

دیتا ہے وہی شفا کہ جو شافی ہے — ہر درد میں خالق کا کرم وافی ہے

درکار نہیں مدد کسی کی مجھ کو — امداد امام قل کفیٰ کافی ہے

ہر ذی روح کے لئے فراق جسم و جان کی منزل بہت سخت اور کٹھن ہوتی ہے ایک عجیب کشمکش کا عالم ہوتا ہے دنیا اور ما فیہا سے جدائی اور ایک نامعلوم منزل کی طرف سفر۔ علائق دنیا اپنی طرف روکتے ہیں اور مریض چاہتا ہے کہ کسی طرح مرض کی تکلیفیں دور ہو جائیں تو ہم کچھ دن اور دنیا کی ہوا کھالیں اور جو جو فرائض ہمارے ذمہ ہیں ان کو پورا کرلیں لیکن وہاں تو جام زندگی لبریز ہو چکتا ہے۔ دور حیات ختم ہو جاتا ہے۔ غرض عجب امید و بیم کی کیفیت ہوتی ہے۔ متقین کو

مرنیوالے ہی جانتے ہیں شیعوں کا عقیدہ ہے کہ اس موقع پر فرشتہ

مرگ کے آنے سے پہلے مریض محتضر کے بالین پر مشکل کشائے عالم

امیر المومنین حضرت علیؑ ابن ابی طالب تشریف لاتے ہیں اور کچھ ایسے

تسلی آمیز فقرات آپ اس محتضر کے گوش زد فرماتے ہیں کہ اس کو سکون

قلب نصیب ہوتا ہے اور وہ اپنی روحانی اور جسمانی تکلیفوں میں کمی

محسوس کرنے لگتا ہے اس وقت کی مناسبت سے میر انیس فرماتے ہیں۔

بیمار کی بالیں پہ مسیحا آئے　　آقا آئے ہمارے مولا آئے

عجلت کا محل ہے پیشوائی کیلئے　　اے جان نکل علیؑ اعلا آئے

غرض ۲۹۔شوال ۱۲۹۱ھ مطابق ۷۔دسمبر ۱۸۷۴ء روز

دوشنبہ قریب مغرب انیس کی روح نے قفس جسم سے بہشت کی طرف

پرواز کی تھوڑی دیر میں یہ خبر تمام شہر میں گشت کرگئی اور امرا و رؤسا،
علما و شرفا گھر پر آگئے میت غسل کے لئے دریا پر لے گئے بعد اسکے
مولانا سید بندہ حسین صاحب قبلہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور اپنی
خرید کردہ زمین میں دفن ہوئے۔ رحمہ اللہ

رُباعیات

رباعیات

حمد باری تعالیٰ

خدا کی معرفت

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے
بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تیری قدرت کا
جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے

دوبیتی:

پروانہ کو دھن شمع کو لَو تیری ہے — عالم میں ہر اک کو تگ و دو تیری ہے
مصباح و نجوم و آفتاب و مہتاب — جس نور کو دیکھتا ہوں ضو تیری ہے

(مسیح شالی)

(۲)

گلشن میں پھروں کہ سیر صحرا دیکھوں — یا معدن و کوہ و دشت و دریا دیکھوں
ہر جا تری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے — حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں

(۳)

مڑ کر کب تک ادھر ادھر دیکھوں میں — حیران ہے نظر کدھر کدھر دیکھوں میں
دنیا ہو کہ عقبیٰ ہو فلک ہو کہ زمین — تو ہی تو ہے جدھر جدھر دیکھوں میں

(۴)

حیران ہے عقل و دل شد اسباب میں — دیکھو کہ ہے شان اسکی ہر اسباب میں
کیا قدرت معبود ہے اللہ اللہ — پنہاں سبب میں ہے اور پیدا اسباب میں

معرفت کی راہیں

(۵)

سرگرم رہے نہ سیر آہیں ہیں یہی، — سو یا کہ حسرت کی نگاہیں ہیں یہی
یہ جسم میں ہیں جو تین سو ساٹھ رگیں ۳۶۰ — گویا تری معرفت کی راہیں ہیں یہی

رحمت خدا

(۶)

ممکن نہیں عمل سے عبادت تیری — بذل و کرم و عطا ہے عادت تیری

صحرا صحرا ہیں گو کہ عصیاں میرے — دریا دریا مگر ہے رحمت تیری

(۷)

لائق ترے کس سے ہو عبادت تیری — مجرم پہ بھی ہر دم ہے عنایت تیری

دن حشر کا ہو تو دیکھتا ہوں میں بھی — عصیاں مرے افزوں ہیں کہ رحمت تیری

(۸)

کونین کی دولت ہے عنایت تیری — ماں باپ سے بھی سوا ہے شفقت تیری

مستوجب دوزخ ہوں اگر عدل کرے — یارب مجھے بخش دے تو رحمت تیری

(۹)

ماں باپ سے بھی سوا ہے شفقت تیری — افزوں ہے ترے غضب سے رحمت تیری

جنت دے تو یا کر دے دوزخ میں جلا — دو حکم ترا ہے یہ عدالت تیری

(١٠)

اے خالقِ ذوالفضل و کرم رحمت کر — اے دافعِ ہر رنج و الم رحمت کر

سبقت ہے سدا غضب پہ رحمت کو تری — اپنی تجھے رحمت کی قسم رحمت کر

(١١)

دولت کی نہ خواہش ہے نہ زر چاہتے ہیں — نہ مال نہ اسباب نہ گھر چاہتے ہیں

جو مزرعِ آخرت ہے وہ خشک نہ ہو — بس اک تری رحمت کی نظر چاہتے ہیں

(١٢)

کب شاہ و گدا سے راہ رکھتا ہوں میں — تیری ہی طرف نگاہ رکھتا ہوں میں

بخشے مرے جرم تو نے لاکھوں یارب — رحمت کو تری گواہ رکھتا ہوں میں

(١٣)

دریا تری رحمت کا اگر سر کھینچے — جنت کبھی مجھ کو کبھی کوثر کھینچے

دھو ڈالیں لکھے کو کاتبانِ اعمال — گر تو قلمِ عفو خطا پر کھینچے

(۱۴)

ہم نے کبھی عصیاں سے کنارا نہ کیا
پر تو نے دل آزردہ ہمارا نہ کیا

ہم نے تو جہنم کی بہت کی تدبیر
لیکن تری رحمت نے گوارا نہ کیا

(۱۵)

فرقت تن و جاں میں بھی غضب ہوتی ہے
مومن پہ مگر رحمت رب ہوتی ہے

آگاہ گناہوں سے نہ ہو ایک کے ایک
فرداً فرداً جبھی طلب ہوتی ہے

خدا مختار ہے

(۱۶)

اپنوں کا گنہ نہ غیر ذا الک کا ہے
کیوں سعی نہ کی قصور سالک کا ہے

تعزیر دے یا عفو کرے رب کریم
مملوک پر اختیار مالک کا ہے

(۱۷)

صالح بھی ترا ہے زشت بھی تیرا ہے
کعبہ بھی ترا کنشت بھی تیرا ہے

حاضر ہے گنہگار جدھر بھیجے تو
دوزخ بھی ترا بہشت بھی تیرا ہے

خدا کی عطا و بخشش

(۱۸)

توقیر ترے ہی آستانے سے ملی — عزت ترے در پہ سر جھکانے سے ملی

مال و زر و آبرو و دین و ایمان — کیا کیا دولت ترے خزانے سے ملی

(۱۹)

قانع ہو جو کچھ ہمت مردانہ ہے — کیوں صحبت اہل زر کا پروانہ ہے

حقا کہ شمار نعمت حق کے لئے — جو دانہ ہے تسبیح کا اک دانہ ہے

(۲۰)

گوہر کو صدف میں آبرو دیتا ہے — بندے کو بغیر جستجو دیتا ہے

انسان کو رزق گل کو بو سنگ کو لعل — جو کچھ دیتا ہے جس کو تو دیتا ہے

دیگر

قطرے کو گہر کی آبرو دیتا ہے — قد سرو کو گل کو رنگ و بو دیتا ہے

بیکار تصنع ہے تشخص بے سود — عزت وہی عزت ہے جو تو دیتا ہے

سلیم مثانی

(۲۱)

آدم کو عجب خدا نے رتبا بخشا | ادنٰی کیلئے مقام اعلا بخشا
عقل و ہنر و تمیز و جان و ایمان | اس ایک کفِ خاک کو کیا کیا بخشا

(۲۲)

سب سے اول ہے سب سے سابق تو ہی | حمد و صفت و ثنا کے لائق تو ہی
درویش نہ محترم نہ منعم بے فیض | پشہ کا بھی عنقا کا بھی رازق تو ہی

خدا کا کرم

(۲۳)

دولت کی ہوس ہے نہ طمع مال کی ہے | خواہش منصب کی ہے نہ اقبال کی ہے
ہے ذات تری جواد و غفار و غنی | امید تجھی سے تیرے افضال کی ہے

(۲۴)

بندے کو خیال دمبدم تیرا ہے | یہ جسم ترا ہے اور یہ دم تیرا ہے
کرتا ہے جو مجھ سے زرد رو کو سر سبز | اے ابر کرم یہ سب کرم تیرا ہے

(۲۵)

کھینچے مجھے موت زندگانی کیطرف غم خود لے جائے شادمانی کیطرف

تیرا جو کرم ہو تو مثال مہ نو پیری سے پہونچ جاؤں جوانی کیطرف

خدا غفار ہے

(۲۶)

ہے کون جو عصیاں میں گرفتار نہیں جز تیرے کرم کچھ اور درکار نہیں

مجھ سا نہیں عالم میں گنہگار اگر تجھ سا بھی تو اور کوئی غفار نہیں

دبیر

خامہ بھی مری طرح سیہ کار نہیں یہ مشق گنہ کسی کو زنہار نہیں

گر خوف برابری نہو صاف کہوں مجھ سا عاصی خدا سا غفار نہیں

شیخ مثالی

خدا قریب بھی ہے دور بھی

(۲۷)

پتلی کی طرح نظر سے مستور ہے تو آنکھیں جسے ڈھونڈتی ہیں وہ نور ہے تو

قربت رگ جاں سے اسپر اس پہ یہ بُعد اللہ اللہ کس قدر دور ہے تو

طلبِ خُدا

(۲۸)

دُکھ میں ہر شب کراہتا ہوں یارب
اب زیست کے دن بتاہتا ہوں یارب

طالبِ زر و مال کے ہیں سب دُنیا میں
میں تجھ سے تجھ کو چاہتا ہوں یارب

(۲۹)

شاید رونے پہ رحم آیا ہے تجھے
یہ عجز یہ انکسار بھایا ہے تجھے

جبتک میں تھا تو بعد تھا برسوں کا
جب آپ کو کھو دیا تو پایا ہے تجھے

عشق بالغیب

(۳۰)

سایہ سے بھی وحشت ہے وہ دیوانہ ہوں
جو دام سے بھاگتا ہے وہ دانہ ہوں

دیکھا نہیں جسکو اُس کا عاشق ہوں میں
جلتا ہے جو بے شمع وہ پروانہ ہوں

صنعتِ خدا

(۳۱)

ہر رگ سے قدرتِ حق پیدا ہے
ہر پھول سے صنعتِ حق پیدا ہے

سینہ نہیں ہے بشر کا وہ محیطِ دخار
ہر ایک نفس سے جزر و مد پیدا ہے

قدرت خدا

(۳۲)

نہ لعل میں ہے نہ گہر و سنگ میں تو ۔ پر صاف چمکتا ہے ہر اک رنگ میں تو

باہر عالم سے ہے بزرگی تیری ۔ کس طرح سمایا ہے دلِ تنگ میں تو

ذات خدا ثنا و صفت سے بالاتر ہے

(۳۳)

خلاق جہان ہے رب اکبر تو ہے ۔ ستار ہے رزاق ہے داور تو ہے

حیران ہوں کیا کروں صفت میں تیری ۔ جو حمد و ثنا ہے اس سے برتر تو ہے

نعت و منقبت

معراج

(۳۴)

دنیا میں محمد سا شہنشاہ نہیں ۔ کس راز سے خالق کے وہ آگاہ نہیں

باریک ہے ذکر قربِ معراج انیس ۔ خاموش کہ یاں سخن کو بھی راہ نہیں

دبیر

معراج بنی میں جائے تشکیک نہیں — ہے نور کا تڑکا شبِ تاریک نہیں
قوسین کے قرب سے یہ ثابت ہے دبیر — اتنا کوئی اللہ کے نزدیک نہیں

عدم سایۂ رسولؐ

(۳۵)

آدمؑ کو یہ تحفہ یہ ہدیہ نہ ملا — ایسا تو کسی بشر کو پایہ نہ ملا
اللہ رے لطافت تنِ پاکِ رسولؐ — ڈھونڈا کیا آفتاب سایہ نہ ملا

رسولؐ کا دیدار خدا کا دیدار ہے

(۳۶)

یا ختم رسل مست مئے الفت ہیں — قدموں کی قسم کہ عاشقِ صورت ہیں
دیکھا جو حضور کو خدا کو دیکھا — اس وجہ سے ہم بھی قائلِ رویت ہیں

(۳۷)

کھو دل کے مرض کو اے طبیبِ امت — سکھلا آداب اے ادیبِ امت
اللہ کے نور کو بعینہ دیکھیں — گر ہو ترا دیدار نصیبِ امت

اَنَا وَعَلِیٌّ مِنْ نُوْرٍ وَّاحِدٍ

(۳۸)

افضل ہے اگر ایک تو اعلیٰ ہی ایک — گر غور کرو تو موج و دریا ہے ایک

ہاں نورِ محمدؐ و علیؑ ہے واحد — ہیں اسم تو دو مگر مسمّا ہے ایک

اعجاز محمدؐ و علی علیہما السّلام

(۳۹)

شایاں تھے انھیں کی شان برتر کیلئے — اعجاز یہ دو دو نو برادر کے لئے

شق القمر و رجعت خورشید مبین — احمدؐ کے لئے وہ اور یہ حیدرؑ کے لئے

اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا

(۴۰)

کیا بھائیوں کے انس کا اندازہ ہے — ہر وقت گل عشق تر و تازہ ہے

یہ باب ہیں حیدرؑ کے نبیؐ کہتے ہیں — میں شہر ہوں باز و مراد دروازہ ہے

محبتِ محمدؐ و علیؑ

(۴۱)

ہے کون و مکاں میں اختیارِ حیدرؑ — گردوں ہے سبک پیشِ وقارِ حیدرؑ

اک جان ہے اک دل ہے بعینہٖ اپنی — احمدؐ کے وہ قربان نثارِ حیدرؑ

فضیلتِ نبیؐ و علیؑ

(۴۲)

ہے چادرِ نورِ حق ردائے حیدرؑ — خورشید ہے نقشِ کفِ پائے حیدرؑ

کہتے ہیں دکھا کے عرش و کرسی کو ملک — یہ جائے محمدؐ ہے وہ جائے حیدرؑ

کعبہ میں علیؑ کی ولادت

(۴۳)

دینداروں نے امن کفر و شر سے پایا — کعبے نے شرف ایسے گہر سے پایا

ہاتھوں پہ علیؑ کو لیکے احمدؐ نے کہا — یہ درِ نجف خدا کے گھر سے پایا

ولادت علیؑ سے کعبہ کا شرف

(۴۴)

حیدر سا امام حق کی رحمت سے ملا
کیا کیا نہ شرف انکی اطاعت سے ملا

عالم میں ہوا قبلۂ اوّل بھی وہی
کعبہ کو شرف جس کی ولادت سے ملا

خلافت علیؑ پر استدلال

(۴۵)

وہ شاہ کہ شاہوں سے لیا باج نبیؐ
اور عرش پہ تھا شریک معراج نبیؐ

فرماتے ہیں میں تن ہوں علیؑ ہے سر مرا
اب کہیے کہ زیبا ہے کسے تاج نبیؐ

عید خلافت علیؑ

(۴۶)

ہر غنچہ سے شاخ گل ہے کیوں نذر کمف
ہے روز خلافت شہنشاہ نجف

حیدر ہوئے جانشین خاصان عربی
ہے آج طلوع نیر برج شرف

(۴۷)

اب تک یہ سرود فرحت اندوزی ہے — ہر دل مصروف جشن نوروزی ہے

ہے آج سرود شاہی شاہِ نجف — یہ رنگ بہارِ فتح و فیروزی ہے

علی بت شکن ہیں

(۴۸)

کعبہ کو سر ید اللہ نے آباد کیا — بت توڑ کے مصطفےٰ کا دل شاد کیا

اللہ رے جلال اسم اعلائے علیؑ — اصنام کو اس نام نے برباد کیا

علی کی بلندی

(۴۹)

کعبہ میں ہوا جو بند و بست حیدرؑ — شاداں تھا دلِ خدا پرستِ حیدرؑ

تھے صاحبِ معراج کے کاندھے پہ قدم — عرش علی تھا زیرِ دستِ حیدرؑ

(۵۰)

محبوب خدا کا جانشین حیدرؑ ہے — قندیل سر عرش بریں حیدرؑ ہے

رکھے کعبہ میں پا سرِ دوش نبیؐ — لو مہر نبوت کا نگیں حیدرؑ ہے

(۵۱)

رتبہ ہے علیؑ کے عرش بھی پست ملا　　سب آنکو خدا کا گھر دربست ملا

کعبہ میں نبیؐ کے دوش اونکے قدم　　یہ اوج کسی کو کب سر دست ملا

علیؑ کی معراج

(۵۲)

فضل نہ کسی کو مرتضےٰ سے پایا　　برتر دنیا کے انبیاؑ سے پایا

معراج میں مصطفےٰ کے ہمراہ رہے　　یہ اوج عنایت خدا سے پایا

(۵۳)

اصحاب نے پوچھا جو نبیؐ کو دیکھا　　معراج میں حضرت نے کسی کو دیکھا

کہنے لگے مسکرا کے محبوب خدا　　واللہ جہاں دیکھا علیؑ کو دیکھا

دبیر

احمدؐ نے کہا علیؑ سے ہر جا تم تھے　　معراج میں تا عرش معلّا تم تھے

عرش ایک طرف پردۂ اسرار سے بھی　　یوں آتی تھی آواز کہ گویا تم تھے

المیزان

علیؑ مشکل کشا ہیں

(۵۴)

احمدؐ کا برادرِ گرامی تو ہے — یا شیرِ خدا خلق میں نامی تو ہے

اے قائدِ خیبر پیشوائے اُمّت — کچھ غم نہیں گر ہمارا حامی تو ہے

(۵۵)

مطلب بھی علیؑ ہی مدعا بھی ہے علیؑ — ہادی بھی علیؑ ہے رہنما بھی ہے علیؑ

شیعوں کو ہو کیا بادِ مخالف کا خطر — کشتی بھی علیؑ ہی ناخدا بھی ہے علیؑ

علیؑ ضامنِ حیات ہیں

(۵۶)

گر شیرِ خدا زیست کا بانی ہو جائے — اعجازِ مسیحا کا کہانی ہو جائے

چاہیں جو علیؑ فنا سے تبدیلِ بقا — مرگِ سرم بھی زندگانی ہو جائے

علیؑ بانیٔ صحت ہیں

(۵۷)

گر نیرِ دین کی مہربانی ہو جائے — ذرہ ابھی خورشید کا ثانی ہو جائے

لعلِ لبِ حیدر سے جو ہو حکمِ شفا — پتھر ہو اگر مرض تو پانی ہو جائے

علیؑ جانِ جہاں ہیں

(۵۸)

مختارِ زمین و آسماں حیدرؑ ہے گویا کہ محمدؐ کی زبان حیدرؑ ہے

جب نام لیا تقویتِ روح ہوئی بیجاں ہیں مگر جانِ جہاں حیدرؑ ہے

علیؑ عقدہ کشا ہیں

(۵۹)

میزانِ کرم میں جرم تل جاتے ہیں فردوس میں مثلِ بوئے گل جاتے ہیں

انگشتِ علیؑ سے بابِ خیبر کی طرح عقدے جو ہزاروں ہیں تو کھل جاتے ہیں

(۶۰)

شاہانِ جہاں سب ہیں گدائے حیدرؑ ہے ابرِ کرم دستِ سخائے حیدرؑ

یعقوبؑ و خلیلؑ و یوسفؑ و آدمؑ و نوحؑ یہ سب کی مشکل میں کام آئے حیدرؑ

(۶۱)

دیدارِ دمِ نزع دکھاتے ہیں علیؑ ایذا سے محبوں کو بچاتے ہیں علیؑ

منظور ہے شیعوں کو نہ ہو سختی مرگ پہلے ملک الموت سے آتے ہیں علیؑ

(٦٢)

احباب لحد تلک تو پہونچائینگے — کوئی نہ رہے گا سب چلے جائینگے

تنہائی میں جس وقت پڑے گی مشکل — عقدہ کشائی کو امام آئینگے

(٦٣)

ساقی شراب حوض کوثر حیدر — حامی حیدر شفیع محشر حیدر

پوچھے جو کوئی کون ہے آقا تیرا — میں قبر سے چلاؤں کہ حیدر حیدر

(٦٤)

گر دوستی علی میں مر جائیں گے — بگڑے ہوئے سب کام سنور جائینگے

جس وقت کہیں گے منھ سے یا شیر خدا — جوں برق صراط سے گزر جائینگے

(٦٥)

امداد کو شیر حق لحد میں پہونچے — کچھ غم نہیں اب کہ اپنی جد میں پہونچے

تربت جو ہوئی بند کھلا خلد کا در — خنداں خنداں جوار جد میں پہونچے

علیؑ کی توجہ سبب کامیابی ہے

(۶۶)

ناکام بھی کامیاب ہو جاتا ہے ــــ بے قدر فلک جناب ہو جاتا ہے
گر اک نظر مہر سے دیکھیں حیدرؑ ــــ ذرہ ابھی آفتاب ہو جاتا ہے

علیؑ کی معرفت خدا کی معرفت ہے

(۶۷)

خلاق انام کبریا کو جانا ــــ عالم کا رسول مصطفیٰ کو جانا
ایماں کا ہمارے اس پہ ہے ارشاد ــــ جانا جو علیؑ کو تو خدا کو جانا

(۶۸)

بیجا ہر کوشش طلب کو پایا ــــ اپنی اپنی غرض کا سب کچھ پایا
مطلوب ملا ابن ابی طالب سے ــــ جب شاہ عرب ملے تو رب کو پایا

خلقتِ علیؑ پر خالق کا فخر

(۶۹)

کیا اسکی صفت میں پھر کوئی بات کرے | خود جسکی ثنا رسول ذات کرے
پیدا کیا مرتضٰے علیؑ سا بندہ | کیونکر نہ یہ قدرت مباہات کرے

محبتِ علیؑ

(۷۰)

عرفان تصدیق محبت حیدر | ایمان ہے محبتِ حیدرؑ
دوزخ ہے عداوتِ علیؑ کا بدلہ | فردوس بہائے الفتِ حیدرؑ

(۷۱)

افضل کوئی مرتضٰی سے ہمت میں نہیں | اس طرح کا بندہ تو حقیقت میں نہیں
طوبیٰ تسنیم و خلد و سیب و رمان | وہ کیا ہے جو حیدر کی ولایت میں نہیں

(۷۲)

قرآن میں ہے جا بجا ثنائے حیدرؑ
ہے وارد ہل اتی عطائے حیدرؑ

دو چیزیں عقبیٰ کے لیے دنیا میں
اک یاد خدا ایک ولائے حیدرؑ

ساقی نامہ

(۷۳)

ایک ایک قدم لغزش مستانہ ہے
گلزار بہشت اپنا میخانہ ہے

سرمست ہیں سب ساقیٔ کوثر سے
آنکھیں شیشے ہیں قلب پیمانہ ہے

علیؑ پر نصیریوں کو خدا کا شک

(۷۴)

یہ جود و سخا حاتم طائی میں نہیں
مثل ان کے کوئی عقدہ کشائی میں نہیں

معذور ہیں نصیری کہیں خدا
بندہ کوئی حیدرؑ سا خدائی میں نہیں

(۷۵)

قطرے میں سب جس کے وہ دریا ہے علی ۔ پنہاں ہے کبھی تو گاہ پیدا ہے علی

ہوتا ہے گماں خدا کا جس پہ ہر بار ۔ اللہ اللہ ایسا بندا ہے علی

(۷۶)

مولا کوئی کوئی مقتدا کہتا ہے ۔ کوئی عالم کا رہنما کہتا ہے

اللہ رے مراتب علی اعلیٰ ۔ بندہ کوئی کوئی خدا کہتا ہے

مدح علی محال ہے

(۷۷)

دم الفت حیدر کا جو بھرتا ہوں میں ۔ حال آتا ہے دل کو وجد کرتا ہوں میں

ممکن ہیں کہاں صفات بنام خدا ۔ کیا آگے کہوں خدا سے ڈرتا ہوں میں

علی حاضر بھی ہیں غائب بھی

(۷۸)

لاریب کہ مظہر العجائب ہے علی ۔ حقا کہ رسول حق کا نائب ہے علی

اللہ اللہ صورت ذات خدا ۔ ہر جا حاضر ہے اور غائب ہے علی

علیؑ کا اختیار

(۷۹)

کچکول کو تاجِ خسروانی کر دیں   درویش کو اسکندرِ ثانی کر دیں

مختار ہیں سرورِ گرم عالم کے علیؑ   چاہیں تو ابھی آگ کو پانی کر دیں

(۸۰)

چاہیں جو علیؑ قطرے کو دریا کر دیں [نوٹ]   ادنیٰ پہ کریں مہر تو اعلیٰ کر دیں

نسخہ کیسا علاج کہتے ہیں کسے   بیمار کو چاہیں تو مسیحا کر دیں

فضیلتِ علیؑ

(۸۱)

عالم یہ کتابِ علم و حکمت کے ہیں   ہر فصل ہیں ذکر انکی کرامت کے ہیں

کہتے ہیں وہ عالم جسے اہلِ عالم   دو باب حیدر کی فضیلت کے ہیں

نوٹ - ایک قلمی نسخہ میں مندرجۂ بالا رباعی میں اوپر کے دو مصرعے اس طرح ہیں -

اعمیٰ کو علی چاہیں تو بینا کر دیں   قطرے پہ کرم کریں تو دریا کر دیں

(۸۲)

بیزار علیؑ کو مال و زر سے پایا
طاعت ہی میں شام تک سحر سے پایا

اللہ نے دی تیغ نبی نے دختر
رتبہ یہ ادھر سے وہ ادھر سے پایا

مدح سراپائے علیؑ

(۸۳)

جام عرفاں ہے چشم مست حیدرؑ
حق بیں ہے نگاہ حق پرست حیدرؑ

چہرہ ہے بہار بوستان فردوس
گلدستہ باغ دیں ہے دست حیدرؑ

(۸۴)

ابروئے حرم ہے چشم مست حیدرؑ
کعبہ ہے دل خدا پرست حیدرؑ

سینہ تو ہے مخزن علوم نبوی
ابر کرم خدا ہے دست حیدرؑ

علیؑ کی غذا

(۸۵)

موجود تھیں نعمتیں برائے حیدرؑ
دنیا کو نہ کچھ دھیان میں لائے حیدرؑ

خود قاسم رزق دو عالم تھے مگر
تھی نان جویں فقط غذائے حیدرؑ

تمام کتب سماوی مدّاح علیؑ ہیں

(۸۶)

افزوں ہیں بیاں سے معجزاتِ حیدر — حلّالِ مہمات ہے ذاتِ حیدر

توریت انجیل اور زبور و قرآن — ہیں ایک رُباعی صفاتِ حیدر

علیؑ کا مرتبہ

(۸۷)

ہے رُوحِ امیں علیؑ کے دربانوں میں — خادم بھی ہے کمترین ثنا خوانوں میں

خورشید فلک فخر سے آ ملتا ہے — دیکھو وہ نہیں شب کے پروانوں میں

علیؑ کے گھر کا فیض

(۸۸)

فیّاض علیؑ کو ہر بشر سے پایا — ہاتھوں کو کشادہ بحر و بر سے پایا

وا رہتا ہے بابِ خیر واں آٹھ پہر — حق نے مانگا علیؑ کے گھر سے پایا

(۸۹)

ایمان پایا علیؑ کے در سے پایا　　رتبہ پایا تو کس بشر سے پایا

طوبیٰ کوثر بہشت و آرام لحد　　جو کچھ پایا علیؑ کے گھر سے پایا

(۹۰)

اعلیٰ رتبہ میں ہر بشر سے پایا　　افضل نہیں خضر راہبر سے پایا

یہ در جو نہ ملتا تو بھٹکتے پھرتے　　جنت کا پتا علیؑ کے گھر سے پایا

(۹۱)

کیا حُر نے شرف علیؑ کے گھر سے پایا　　کیا مرتبہ شاہ بحر و بر سے پایا

تھی آرزوئے بہشت و آب کوثر　　وہ باپ سے پایا یہ پسر سے پایا

تمسک اہلبیت سبب نجات ہے

(۹۲)

ساحل پہ ابھی تھا کہ ادھر جا اُترا　　نے شرع چڑھی کوئی نہ بیڑا اُترا

تھا کشتیٔ احمد سے علاقہ جس کو　　دریا سے سلامت وہی بیڑا اُترا

نوٹ۔ اس رباعی میں اشارہ ہے اس حدیث کیطرف مَثَلُ اَھْلِ بَیْتِی کَمَثَلِ سَفِیْنَۃِ نُوْحٍ مَنْ رَکِبَھَا نَجٰی وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا فَغَرَقَ ۔"

مدح جناب فاطمہؑ

(٩٣)

کرسی کس کی ہے عرش علا کس کا　　کس کی شرافت ہے یہ بتا کس کا

صدیقہ جناب سیدہؑ بنت رسولؐ　　زہرا کے ازہرا کو یہ زہرا کس کا

مدح امام حسینؑ

(٩٤)

شہ کہتے تھے اللہ کا پیارا ہوں میں　　عرش اعظم کا گوشوارا ہوں میں

سارے عالم میں روشنی ہے جس کی　　اے لشکر شام وہ ستارا ہوں میں

حسینؑ سید الشہدا ہیں

(٩٥)

یکتا گہر قلزم سرمد ہے حسینؑ　　سردار امم مثل محمدؐ ہے حسینؑ

جب رکھ کے قدم کیا تو سر کی رہ عشق　　حقا کہ شہیدوں میں سرآمد ہے حسینؑ

حسینؑ کا اختیار

(۹۶)

جس پر نظرِ لطف کی شبیرؑ کریں — ادنیٰ اعلیٰ سب اس کی توقیر کریں

جس سنگ کو چاہیں وہ بنا دیں پارس — جس خاک کو چاہیں اُسے اکسیر کریں

حسینؑ رہنمائے جنت ہیں

(۹۷)

عصیاں سے بھرا ہوا جو سب دفتر ہے — ڈرتا ہے کیوں انیس پھر کیا ڈر ہے

کچھ غم نہیں باریک ہے گو راہِ صراط — شبیرؑ سا دستگیر یاں رہبر ہے

حسینؑ کی عبادت

(۹۸)

کیا مرتبہ سلطانِ حجازی کا ہے — کیا عز و شرف امامِ غازی کا ہے

سجدہ کا نشان دیکھ کے سب کہتے تھے — نیزہ پہ یہ سر کسی نمازی کا ہے

حسینؑ نے حُر کی رہبری کی

(۹۹)

حُر جبکہ فدائے شہِ ذیجاہ ہوا　　اک غلغلہ رحمہ اللہ ہوا

جنت میں نہ کس طرح پہونچتا وہ جری　　شبیرؑ سا رہبر خضرِ راہ ہوا

حسینؑ کی رضا باعث نجات ہے

(۱۰۰)

شبیرؑ سا حُر نے جبکہ رہبر پایا　　پایہ سے ہوا عرش کے برتر پایا

اک سبطِ رسولؐ کی رضامندی سے　　حوریں پائیں بہشت کوثر پایا

حسینؑ کی رضا خدا کی رضا ہے

(۱۰۱)

جب حُر کا گنہ شاہِ اممؐ نے بخشا　　قطرے کو شرف بحرِ کرم نے بخشا

گردوں سے ندا آئی کہ اے سبطِ نبیؐ　　تو نے جسے بخشا اسے ہم نے بخشا

دبیر

حُر کو کیا بخت کبریا نے بخشا
یہ نام اُسے بختِ رسا نے بخشا

جب عذر گنہ کرتا تھا کہتے تھے حسینؑ
میں رَد نے بخشا مرے خُدا نے بخشا

سبع مثانی

مدح حضرت عباسؑ و علی اکبرؑ و علی اصغرؑ

(۱۰۲)

عباسؑ سا صف شکن نہ ہوگا کوئی
اکبرؑ سا بھی گلبدن نہ ہوگا کوئی

گردن پہ لگا تیر مگر لب نہ ملے
اصغرؑ سا بھی کم سخن نہ ہوگا کوئی

مدح حضرت علی اکبرؑ

(۱۰۳)

منھ چاہیئے وصفِ رخِ اکبرؑ کے لئے
تھا حسن اسی سرو صنوبر کے لئے

نازک بدنی کی مدح لکھنی ہے مجھے
تارِ رگِ گُل چاہیئے مسطر کے لئے

مدح انصار حسینؑ

(۱۰۴)

اعدا رفقائے شہ سے سر بر نہ ہوئے
لڑتے رہے جب تلک کہ بے سر نہ ہوئے

سر داروں کو آرزو رہی دنیا میں
ایسے غازی مگر میسّر نہ ہوئے

مدح حضرت حُرؑ

(۱۰۵)

حر نے مقداد کا مقصد پایا
اسلام بھی سلمان کے برابر پایا
عمار کی طرح پائی عمر جاوید
زر چھوڑا تو رتبہ ابوذر پایا

(۱۰۶)

کہتا تھا حبیب جب میں سونا ہوگا
پُرنور مری قبر کا کونا ہوگا
زانوئے حسینؑ اور ردائے زہرا
تکیہ تو مرے ہوگا وہ بچھونا ہوگا

مدح شمشیر حسینؑ

(۱۰۷)

جو صف تہ تیغ شاہ آجاتی تھی
اڑ جاتے تھے سر شکست پا جاتی تھی
مشہور ہے تلوار کو کھا جاتا ہے زنگ
وہ تیغ تو مورچے کو کھا جاتی تھی

مدح ائمہ اثنیٰ عشر

(۱۰۸)

روشن شمعیں تجلّی طور کی ہیں
خال اُنکے رُخوں کے تپلیاں حور کی ہیں

قربان دوازدہ امام برحق
بارہ سطریں یہ سورۂ نور کی ہیں

دبیر

جامع سیپاروں کا جو رحمٰن ہوا
چودہ معصوموں کا ثناخواں ہوا

سورے مصحف کے ایک سو چودہ ہیں
کامل چودہ سے مل کے قرآن ہوا

المیزان

اعتقادیہ

(۱۰۹ - ۲۲۱)

مدح امام کے برکات

شہرہ ہر سو جو خوش کلامی کا ہے
باعث مدح امام نامی کا ہے

میں کیا، آواز کیسی، پڑھنا کیسا
آقا یہ شرف تری غلامی کا ہے

مدّاحی کا صلہ

(١١٠)

جو نکتہ بہ ذوقِ نذرِ حیدرؑ کہہ لے   جو بیت کہی وہ خلد کے گھر لے لے

اس گرمی میں مصرفِ عشق تیری مومن   اک جام شراب حوضِ کوثر لے لے

مدحِ علیؑ ناممکن ہے

(١١١)

ہو جاتی ہے سہل پیشِ دانا مشکل   دل نے نہ کسی امر کو جانا مشکل

مدحِ شہِ دیں میں ہے مگر دل کا یہ قول   ہے بحر کا کوزہ میں سمانا مشکل

علیؑ کی غلامی پر فخر

(١١٢)

واجب ہے جو عبدِ نیک نام اس کا ہوں   یکتا ہے جو مداح مدام اس کا ہوں

پوچھیں گے نکیرین تو کہہ دوں گا میں   قنبرؑ کا جو مولا ہے غلام اس کا ہوں

علیؑ کی غلامی باعثِ نجات ہے

(۱۱۳)

دُنیا سے اُٹھا لے کے میں نام حیدرؑ — جنت کو چلا بہ سلام حیدرؑ

عصیاں سے ہو شرمندہ تو رضوان نے کہا — آنے دو اسے ہے یہ غلام حیدرؑ

علیؑ کا محب مر کر نجف پہنچ جاتا ہے

(۱۱۴)

خورشید شرف برج شرف میں ہوگا — جوہر معدن میں دُرِ صدف میں ہوگا

مشرق میں کہ مغرب میں اسے دفن کرو — جو عاشق حیدرؑ ہے نجف میں ہوگا

عرفی بہ کاوش مژہ از گور تا نجف بروم — اگر بہ ہند ہلاکم کنی وگر بہ تتار

(۱۱۵)

ایوانِ فلک جناب دیکھا ہم نے — فردوسِ بریں کا باب دیکھا ہم نے

جا پہنچے نجف میں خاک ہو کر صد شکر — دربار ابو تراب دیکھا ہم نے

مونس

ہر شخص کو فیضیاب دیکھا ہم نے
ہر ذرہ کو آفتاب دیکھا ہم نے
آخر کام آئی خاکساری مونس
دربار ابو تراب دیکھا ہم نے

(۱۱۶)

گھر میں ڈھونڈو نہ انجمن میں ڈھونڈو
ہر قدم پہ ڈھونڈو نہ کفن میں ڈھونڈو
گلزار نجف میں مدح خواں ہو گا نہیں
بلبل کو جو ڈھونڈو تو چمن میں ڈھونڈو

آرزوئے زیارت نجف و کربلا

(۱۱۷)

اے بخت رسا سوئے نجف راہی کر
مجھ زار کو زائر ید اللّٰہی کر
لے جا سوئے کربلا مری مشت غبار
اے باد صبا اتنی ہوا خواہی کر

سرکار امیر المومنین

(۱۱۸)

کس شہر میں در مدعا ملتا ہے
سنتے ہیں نجف میں بارہا ملتا ہے
سرکار علی وہ ہے کہ ہر بندہ کو
دولت کیا مال سے خدا ملتا ہے

مدح نجف اشرف

(۱۱۹)

جو روضۂ حیدر پہ مکیں ہوتا ہے — وہ داخل فردوس بریں ہوتا ہے

یوں ہوگا بہشت میں نجف کا طبقہ — جس طرح کہ خاتم پہ نگیں ہوتا ہے

مدح خاک نجف

(۱۲۰)

کیا فیض علیؑ کے قدم پاک سے ہے — روضہ کی زمیں بلند افلاک سے ہے

بنتا ہے وہاں ریگ نجف قطرۂ آب — پانی کی بھی آبرو اسی خاک سے ہے

(۱۲۱)

کیا قدر بھلا وہاں کی جانے کوئی — مختار ہے مانے کہ نہ مانے کوئی

ملتا ہے قدم قدم پہ در مقصود — چھانے تو نجف کی خاک چھانے کوئی

مدح مزار حضرت علیؑ

(۱۲۲)

سرمہ ہے غبار رہگذار حیدرؑ — مردم نہوں کس طرح نثار حیدرؑ

ہو جاتی ہیں کور کی بھی آنکھیں روشن — آئینۂ نور ہے مزار حیدرؑ

مدح صحرائے نجف

(۱۲۳)

ظلمت کدۂ ہند میں کیا ملتا ہے — نہ دوست کوئی نہ آشنا ملتا ہے

صحرائے نجف کو چل کے دیکھو تو نہیں — ہر ایک طرف نور خدا ملتا ہے

حسرت زیارت کربلائے معلیٰ

(۱۲۴)

یا زیست میں یا بعد فنا پہونچیں گے — یا وہیں اگر بخت تو جا پہونچیں گے

کیا دن ہونگے نثار اس دن کے انیس — جس روز تیرے کربلا پہونچیں گے

(۱۲۵)

اے ہندؑ کی ظلمت سے نکلتا ہوں میں — توفیق رفیق ہو تو چلتا ہوں میں

تقدیر نے بیڑیاں تو کاٹی ہیں نہیں — کیوں رک گئے پاؤں ہاتھ ملتا ہوں میں

(۱۲۶)

مجبور ہوں جنت کے چمن والوں سے — مجبور ہوں اپنے بے اثر نالوں سے

یارب وہ مکان جلد دکھا دے مجھکو — جھاڑا ہے جسے فاطمہؑ نے بالوں سے

(۱۲۷)

چل جلد اگر قصد سفر رکھتا ہے — تو کچھ بھی آلؑ کی محبت رکھتا ہے

راحت دنیا میں کسی نے پائی ہی نہیں — جو سر رکھتا ہے درد سر رکھتا ہے

دبیر

گل ہو نہ چراغ عمر جلتے جلتے — ہو جائے نہ چھاؤں دھوپ ڈھلتے ڈھلتے

چلنا ہے تو چل جلد زیارت کو دبیر — آجائے نہ موت راہ چلتے چلتے

حیات دبیر

نوٹ :- یہ رباعی میر انیس مرحوم نے اپنی لڑکی کے عقد نکاح سے فرصت پانے کے بعد نظم کی تھی جس کی طرف تیسرے مصرع میں اشارہ ہے۔

حسینؑ کا دوست مر کر کربلا پہونچ جائے گا

(۱۲۸)

مرقد میں انیسؔ کے کفن میں ہو گا — روضۂ سلطانِ زمن میں ہو گا
چلکر گلزارِ کربلا میں ڈھونڈیں — بلبل کا مزار بھی چمن میں ہو گا

شوقِ زیارتِ کربلا

(۱۲۹)

سوزِ غم و دوری نے جلا رکھا ہے — آہوں نے کنول لگا بجھا رکھا ہے
نکلو کہیں جلد عمرِ آخر ہے انیسؔ — اس ہندِ نحستیہ میں کیا رکھا ہے

(۱۳۰)

کل دل کو نہیں ہے آج کل جائیں گے — اب ہند کی ظلمت سے نکل جائیں گے
ہاتھ آئے تو جادۂ صراطِ ایمان — گر پاؤں تھکے تو سر کے بل جائیں گے

(۱۳۱)

جس شخص کو شوق کربلا ہوتا ہے ۔ غربت میں کفیل اسکا خدا ہوتا ہے

کیا خضر کی احتیاج اسے کعبہ میں ۔ ہر نقش قدم قبلہ نما ہوتا ہے

زمین کربلا پر دفن کی آرزو

(۱۳۲)

یارب اثر مری دعا میں مل جائے ۔ اک قبر جوار شہدا میں مل جائے

صدقے سے ابوتراب کے یا غفار ۔ یہ خاک مری خاک شفا میں مل جائے

(۱۳۳)

توفیق ثنائے شہ دیں پاؤں میں ۔ جس میں کھے نام وہ نگیں پاؤں میں

یارب دل سے ہوں جس زمیں کا مشتاق ۔ مرجانے پہ بھی قبر وہیں پاؤں میں

فضیلت زمین کربلا

(۱۳۴)

حاصل جو شہ دیں کی حضوری ہو جائے ۔ لاکھوں منزل سقر سے دوری ہو جائے

قدسی کہتے ہیں کربلا ہے وہ بہشت ۔ ناری بھی اگر جائے تو نوری ہو جائے

دبیر

حاصل جسے آقا کی حضوری ہو جائے　　عصیاں کی تیرگی سے دوری ہو جائے
اے مثل علی مجلس پُرنور حسینؑ　　ناری بھی یہاں آئے تو نوری ہو جائے

مراثی دبیر جلد دوم

خاکِ مزارِ حسینؑ دوائے ہر مرض ہے

(۱۳۵)

اکسیر کو دیکھا نہ طلا کو دیکھا　　بے سود نہیں ہے سر دوا کو دیکھا
ہر درد ہے کے واسطے سریع التاثیر　　دیکھا تو فقط خاکِ شفا کو دیکھا

دوائے دردِ عصیاں

(۱۳۶)

ذرے کے لئے حق نے کیمیا پیدا کی　　جو درد دیا اس کی دوا پیدا کی
عصیاں کے مرض کا جو نہ تھا کوئی علاج　　اس کے لئے یہ خاکِ شفا پیدا کی

سرمۂ چشم

(۱۳۷)

جبریل امیں کو فخر دربانی ہے — حضرت کا غبارِ قبر نورانی ہے

ہو جاتی ہیں کور کی بھی آنکھیں روشن — وہ خاک بھی سرمۂ سلیمانی ہے

زیارتِ حضرت حسینؑ عبادت ہے

(۱۳۸)

جو روضۂ شاہِ کربلا تک پہونچے — بے شبہ و شک وہ مصطفیٰ تک پہونچے

اللہ رے عزّ و شانِ زوارِ حسینؑ — پہونچے جو حسینؑ تک خدا تک پہونچے

دبیر

جو روضۂ شاہ کربلا تک پہونچا — معراج ہوئی عرش علا تک پہونچا

کیا قرب ہے اللہ کا اللہ اللہ — پہونچا جو حسینؑ تک خدا تک پہونچا

سبع مثانی

دبیر

حاصل جسے آقا کی حضوری ہو جائے   عصیان کی تیرگی سے دوری ہو جائے
اے صل علیٰ مجلس پُرنور حسینؑ   ناری بھی یہاں آئے تو نوری ہو جائے

مراثی دبیر جلد دوم

خاکِ مزارِ حسینؑ دوائے ہر مرض ہے

(۱۳۵)

اکسیر کو دیکھا نہ طلا کو دیکھا   بے سود اسے ہر دوا کو دیکھا
ہر درد کے واسطے سریع التاثیر   دیکھا تو فقط خاکِ شفا کو دیکھا

دوائے دردِ عصیاں

(۱۳۶)

ذرے کے لئے حق نے کیمیا پیدا کی   جو درد دیا اس کی دوا پیدا کی
عصیاں کے مرض کا جو نہ تھا کوئی علاج   اس کے لئے خاکِ شفا پیدا کی

سرمۂ چشم

(۱۳۷)

جبریل امیں کو فخر دربانی ہے   حضرت کا غبارِ قبر نورانی ہے
ہو جاتی ہیں کور کی بھی آنکھیں روشن   وہ خاک بھی سرمۂ سلیمانی ہے

زیارت و ضریحِ حسین عبادت ہے

(۱۳۸)

جو روضۂ شاہِ کربلا تک پہونچے   بے شبہ و شک وہ مصطفا تک پہونچے
اللہ رے عزّ و شانِ زوّارِ حسینؑ   پہونچے جو حسینؑ تک خدا تک پہونچے

دبیر

جو روضۂ شاہ کربلا تک پہونچا   معراج ہوئی عرش علا تک پہونچا
کیا قبر ہے اللہ کا اللہ اللہ   پہونچا جو حسینؑ تک خدا تک پہونچا

سبع مثانی

زیارتِ روضۂ امام رضا علیہ السلام

(۱۳۹)

جب دور سے ایوانِ علا کو دیکھا
لاریب کہ عرشِ کبریا کو دیکھا

سو بار کیا طوافِ کعبہ اے دل
اک بار جو روضۂ رضا کو دیکھا

عزا خانہ

(۱۴۰)

اک نور کا گھر شہ کا عزا خانہ ہے
آبادِ محبوبِ سبحانہ کا شانہ ہے

کیونکر نہ ہو قدسیوں کی یاں جلوہ گری
جبریل اسی شمع کا پروانہ ہے

(۱۴۱)

رعبِ شہِ ذیجاہ سے تھراتے ہیں
طرزِ غلامانہ بجا لاتے ہیں

آداب یہ ہے کہ تعزیہ خانہ میں
آتے ہیں تو جھک جھک کے علم آتے ہیں

(۱۴۲)

اس بزم کو جنت سے جو خوش پاتے ہیں
رضواں لئے گلدستۂ نور آتے ہیں
کیا صحن ہے گلشن عزائے شبیرؑ
پانی یہاں خضر آکے چھڑک جاتے ہیں

(۱۴۳)

سینوں میں جگر پہ تیر غم چلتے ہیں
رخسار پہ اشک شمع ساں ڈھلتے ہیں
کیوں تعزیہ خانوں میں رونق ہو زیادہ
دل بھی تو چراغوں کی طرح جلتے ہیں

مجلس میں جناب فاطمہؑ کا گذر

(۱۴۴)

یہ بزم عزائے پسر زہراؑ ہے
بیٹھو بہ ادب یاں گذر زہراؑ ہے
چادر سے ہر ایک کے اشک کرتی ہیں پاک
ہر چشم کے اوپر نظر زہراؑ ہے

(۱۴۵)

مجلس میں مزا اشک بہانے کا ہے
فردوس صلہ رونے رلانے کا ہے
خورشید نقاب رخ اٹھائے کیونکر
ہاں وقت فاطمہؑ کے آنے کا ہے

مجلس میں ارواحِ ائمہ کا ورود

(۱۴۶)

افلاکِ شرف کے ستارے آئے — فردوس سے یاں نبی کے پیارے آئے
مجلس میں ہوا روحِ ائمہ کا گذر — رونے کو طرفدار ہمارے آئے

مجلسِ عزا

(۱۴۷)

انس و ملک و حور کی مجلس یہ ہے — تاجِ سرِ جمہور کی مجلس یہ ہے
ہوتی ہے گناہ کی سیاہی زائل — واللہ عجب نور کی مجلس یہ ہے

(۱۴۸)

لاریب بہشتیوں کا مرجع ہے یہ — سب جس میں بھرے ہیں گل وہ مجمع ہے یہ
دیکھے کوئی صورتوں کو چشم بد دور — مانی بھی ہے دنگ وہ مرقع ہے یہ

(١٤٩)

تیرِ غمِ شہ سینہ میں پیوستہ ہے　　ایک ایک کا دل درد سے وابستہ ہے

ہر رنگ کے گل جمع ہیں اس مجلس میں　　یہ بزمِ عزا خانہ کا گلدستہ ہے

سیر عشق

راہِ غمِ شبیر میں دل خستہ ہے　　فردوس میں جانے کا یہی رستہ ہے

گلزار کو اس بزم سے کیا نسبت ہے　　غنچہ نہیں شیعوں کا یہ گلدستہ ہے

مراثی عشق جلد ١

(١٥٠)

ہے فصلِ عزا جدا جدا مجلس ہے　　گھر گھر ماتم ہے جا بجا مجلس ہے

ماشاءاللہ چشمِ بد دور از بس　　کیا جمعِ مومنین ہے کیا مجلس ہے

(١٥١)

اس بزم کو ہر بزم پہ فوقیت ہے　　حقا کہ یہ بزم گلشنِ جنت ہے

رونے کو ہیں جمع عاشقانِ شبیر　　کیا لوگ ہیں کیا وقت ہے کیا صحبت ہے

نوٹ:- بلا کسی تغیر کے جلد مراثی میر مونس میں بھی یہ رباعی موجود ہے۔

(۱۵۲)

احساں نہیں گر بزم عزا میں آئے — آئے تو پناہ مصطفیٰ میں آئے

اس بزم میں آئے جو محبان علیؑ — راحت ہے کہ رحمت خدا میں آئے

دبیر

احسان نہیں گر بزم عزا میں آئے — آئے تو پناہ مصطفیٰ میں آئے

گرمی ہی کے دن تھے کہ تمہاری خاطر — شبیر وطن سے کربلا میں آئے

مراثی دبیر جلد دوم

مجلس سبب فراوانی نور

(۱۵۳)

حاضر ہوں نہ کیوں حضور کی مجلس ہے — حقا کہ عجب ظہور کی مجلس ہے

دیکھو جو نظر اٹھا کے روشن ہے مکاں — سبحان اللہ نور کی مجلس ہے

مجلس کے برکات

(۱۵۴)

ابن اسد اللہ کا دربار ہے یہ — مجلس نہیں اک تختۂ گلزار ہے یہ

پھیلائے اشک نذر کریں مومن — پھر جا ہیں لیں سخی کی سرکار ہے یہ

گلدستۂ مجلس

(۱۵۵)

نٹ امید کسے تھی بزم کے بھرنے کی | اللہ رے جزا اس کرم کرنے کی
آنکھوں کو کہاں کہاں بچھاؤں میں انیسؔ | ملتی نہیں جا بزم میں تل دھرنے کی

دبیرؔ

ہر عضو سے سر بلند گو آنکھیں ہیں | پر فرش کی ہو کمی تو لو آنکھیں ہیں
کس کس کے بزیرِ پا بچھاؤں میں دبیرؔ | ہم چشم بہت ہیں اور دو آنکھیں ہیں

یاں مجھکو بچھانا تھا ضرور آنکھوں کا | اس پردہ میں تھا علاج سو آنکھوں کا
پر اتنو نہیں تل کے بھی رکھنے کی جگہ | آنکھوں کے عوض بچھاؤں تو آنکھوں کا

حیات دبیر

نوٹ - یہ رباعی میر انیس نے بعد غدر نواب تجمل حسین خاں کی بارہ دری واقع کٹرہ ابو تراب خاں میں پڑھی تھی - مجلس ایک ڈپٹی کلکٹر کی بنا کردہ تھی - ہر مذہب و ملت کے لوگ شریک تھے بہت بڑا مجمع تھا - اسی مجمع کو دیکھکر یہ رباعی نظم کی - منشی میر عباس صاحب بھی شریک تھے مجلس میں یہ مرثیہ پڑھا گیا تھا مطلع "جاتا ہے شیر بیشۂ حیدر فرات پر" -

(۱۵۶)

مردم کا یہ الطاف و کرم آنکھوں پر احسان یہ سر پہ یہ قدم آنکھوں پر
ہے عین شرف خدمت احباب حسین گر ہو جگہ بٹھائیں ہم آنکھوں پر

مدح اہل مجلس

(۱۵۷)

عابد سب ہیں خدا رسیدہ سب ہیں بینا صفت مردم دیدہ سب ہیں
گلزار ہے لکھنو انھیں پھولوں سے چیدہ مجلس ہے برگزیدہ سب ہیں

دعا برائے حاضرین مجلس

(۱۵۸)

اس قوم کی تعریف کا غل ہر سو ہے ایک ایک عزادار شہ خوش خو ہے
یا رب ہے یہ باغ خزاں سے محفوظ جب تک کہ چمن میں گل ہے گل میں بو ہے

مدحِ حاضرینِ مجلس

(۱۵۹)

گلچین تو بھلا چمن سنوارے ایسے — مجلس ایسی نبی کے پیارے ایسے

کہتی ہے زمیں کبھی نہ دیکھے ہونگے — گردوں نے بھی کنجان ستارے ایسے

نوٹ: بعض نسخوں میں یہ رباعی اس طرح ہے۔

دنیا میں ہیں یہ علیؑ کے پیارے ایسے — رضوان ہو فدا کل ہیں سارے ایسے

کہتا ہے مہِ عزا کا افلاک نے بھی — دیکھے نہیں گنجان ستارے ایسے

(۱۶۰)

پرنور ہے سب بزم وہ تارے یہ ہیں — زہرا و ید اللہ کے پیارے یہ ہیں

روتے ہیں جو بزمِ غم میں با نالہ و آہ — شہ کہتے ہیں سب دوست ہمارے یہ ہیں

یادگذشتگان

(۱۶۱)

غم ہے ہمیں لیکن انہیں خوشحالی ہے   پاس اُس کے ہیں کونین کا جو والی ہے

اُس عشرہ میں تھے شریکِ مجلس جو لوگ   اِس سال انہیں کی بس جگہ خالی ہے

ضمیر و دبیر

رولے ہے غمِ بادشہ عالی ہے   اور مرگ کسی نے بھی نہیں ٹالی ہے

اللہ کرے غریقِ رحمت سب کو   اس بزم میں کس کس کی جگہ خالی ہے

مراثی ضمیر جلد (۱) مراثی دبیر جلد (۲)

تابشِ آفتاب

(۱۶۲)

الفت ہو جسے اُسے ولی کہتے ہیں   ایسوں کو سعیدِ ازلی کہتے ہیں

اِس بزم میں جو ہاتھ اٹھا کے آتے ہیں لوگ   منبر پہ کر طلب الکلم علی کہتے ہیں

(۱۶۳)

ہر نالۂ دل جگر کو برما جائے ایسا رو وُ کہ ابر شرما جائے

سرما تو گیا سر پہ ہے کیوں غم حسینؑ ٹھنڈی آہیں کرو تو گرما جائے

(۱۶۴)

یاں[نوٹ] دھوپ بھی آ کے زرد ہو جاتی ہے آندھی آئے تو گرد ہو جاتی ہے

پنکھے آہوں کے آنسوؤں کا چھڑکاؤ یاں گرم ہوا بھی سرد ہو جاتی ہے

اہل مجلس کا پسینہ

(۱۶۵)

احباب کا مجمع ہے بہار غم ہے کیا خوب فضائے چمن ماتم ہے

سینہ میں کھلے ہیں گل داغ غم شاہ گرمی سے عرق تن پہ نہیں شبنم ہے

نوٹ ۔ جناب دولہا صاحب عروجؔ مرحوم سے جناب پیارے صاحب رشیدؔ مرحوم نے بیان کیا کہ میر انیس نے بعد غدر پڑھنا ترک کر دیا تھا نواب امجد علی خاں صاحب نیس شیش محل کی استدعا پر خرد محل میں مجلس پڑھی ۔ مجمع کثیر تھا ۔ گرمی شدت کی تھی اور لو بھی چل رہی تھی ۔ متذکرہ بالا رباعی اس مجلس میں پڑھی اور "جاتی ہے کس شکوہ سے رن میں خدا کی فوج" یہ مرثیہ پڑھا منقول از بیاض قلمی کتبخانہ محمود آباد ۔

میر عشق۔ گرمی سے نہ اندازہ پریشانی ہو
شبیر کے پیاسے کی ثنا خوانی ہے

اے عشق پسینہ نہیں آتا ہر گز
دھوتا ہے گناہوں کو یہ وہ پانی ہے

مراثی عشق جلدا

(۱۶۶)

مجلس میں جو باریاب ہو جاتا ہے
عصیاں سے وہ بے حساب ہو جاتا ہے

خوشبو یہ عرق میں ہے عزاداروں کے
پانی پانی گلاب ہو جاتا ہے

خستگی آواز

(۱۶۷)

ذاکر کی جو آواز حزیں ہوتی ہے
کچھ مرثیہ خوانی سے نہیں ہوتی ہے

ہے غم شبیر کی تاثیر انیس
آواز قلق سوگ نشیں ہوتی ہے

دبیر

ہر چند کہ خستہ و حزیں ہے آواز
پر تعزیہ دار شاہ دیں ہے آواز

نکلے نہ اگر کنج دہن سے تو بجا
ماتم کے ہیں دن سوگ نشیں ہے آواز

حیات دبیر

(۱۶۸)

انداز سخن تم جو ہمارے سمجھو جو لطف کلام ہیں وہ سارے سمجھو
آواز گرفتہ گو ہے اس ذاکر کی پھر روؤ اگر اشارے سمجھو

فضیلت ذاکر

(۱۶۹)

نازیدہ ہوں وہ اوج مجھے آج ملا ظل علم صاحب معراج ملا
منبر پہ نشست سر پہ حضرت کا علم اب چاہیے کیا تخت ملا تاج ملا

بکاء علی الحسینؑ

(۱۷۰)

پیدا ہوئے دنیا میں اسی غم کے لئے رونا ہی بھلا ہے چشم پرنم کے لئے
ہم کو دو نعمتیں خدا نے دی ہیں آنکھیں رونے کو ہاتھ ماتم کے لئے

نوٹ۔ یہ رباعی لکھنؤ میں پہلی مجلس میں پڑھی جو حسینیہ اکرام اللہ خاں میں منعقد ہوئی تھی۔

(۱۷۱)

رومال ہیں اشکوں سے بھگونے کے لئے　　یہ راتیں یہ دن نہیں ہیں سونے کے لیے

ہنسنے کے لیے تو سال بھر ہے یارو　　دس روز محرم کے ہیں رونے کے لیے

(۱۷۲)

داغ غم شہ دل میں اگر پیدا ہو　　مر کر بھی محبت کا اثر پیدا ہو

گر بعد فنا خاک کو چھانیں میری　　پیدا ہو، اگر تو چشم تر پیدا ہو

(۱۷۳)

ہر شب غم شہ میں جان کھویا کیجے　　ہر روز منہ آنسوؤں سے دھویا کیجے

بیدار اگر ہوں بخت خوابیدہ نہیں　　حسرت ہے کہ خواب میں بھی رویا کیجے

(۱۷۴)

ہر دم غم سبط شہ لولاک کیا　　جب نام لیا چشم کو نمناک کیا

تر ہو گیا رومال تو پھاڑا دامن　　پایا نہ گریباں تو جگر چاک کیا

(١٧٥)

گو حشر میں مہر کی تمازت ہوگی — پر شہ کے عزاداروں کو راحت ہوگی

دل کھول کے اس تنگ مکاں میں رو لو — قبروں میں تو اتنی بھی نہ وسعت ہوگی

(١٧٦)

مظلوم پہ بزم مومنین روتی ہے — وہ کون سی آنکھ جو نہیں روتی ہے

مرتا ہے جو کوئی رہنمائے اسلام کا — اس پہ چالیس دن زمیں روتی ہے

(١٧٧)

جب داورِ حشر رونے والے ہوں گے — شاہِ شہدا کے سب حوالے ہوں گے

جنت جاگیر میں ملے گی سب کو — نامے اعمال کے قبالے ہوں گے

(١٧٨)

نیساں کو خجل دیدۂ تر سے پایا — دامن کو بھرا ہوا گہر سے پایا

یہ لطف اٹھایا نہ کسی شادی میں — جو حظ غمِ شاہ بحر و بر سے پایا

(۱۷۹)

فرصت کوئی ساعت نہ زمانے سے ملی
بیگانے سے راحت نہ یگانے سے ملی

حقا کہ پاک نواز ہے ذات تری
جنت نہیں اشکوں کے بہانے سے ملی

دبیر

گھر خلد میں مجلسوں کے جانے سے ملا
قصر گہر اشکوں کے بہانے سے ملا

ہر چشم کے چشمہ سے یہ جاری ہے صدا
کوثر مردم کو اس بہانے سے ملا

المیزان

(۱۸۰)

اشکوں میں نہاؤ تو جگر ٹھنڈے ہوں
بھیگے جو مژہ دیدۂ تر ٹھنڈے ہوں

یوں سینۂ و قلب سرد ہو جائیں گے
خس خانہ میں جیسے بام و در ٹھنڈے ہوں

(۱۸۱)

جو شاہ کے غم کو دل میں جا دیوے گا
اللہ اسے اس کا صلا دیوے گا

اشک غم شبیر کا دیکھو تو اثر
اک قطرہ جہنم کو بجھا دیوے گا

(۱۸۲)

کس غم میں یہ لذت ہے جو اس غم میں ہے سینہ کو بسر ضربہ کے ماتم میں ہے
ہر چشم کہتی ہی دکھا کر رشک رونے کا مزہ ماہ محرم میں ہے

(۱۸۳)

بادل آ آ کے رو گئے ہائے غضب آنسو نایاب ہو گئے ہائے غضب
جی بھر کے حسین کو نہ روئے امسال آنکھوں کے نصیب سو گئے ہائے غضب

(۱۸۴)

رونے کی جو غم میں شہ کے خو ہووے گی واللہ کہ عاقبت نکو ہووے گی
اشکوں کا جواب رو پہ ہوویگا قرآن محشر میں اسی سے آبرو ہووے گی

(۱۸۵)

بلبل یہاں آ کے خوش بیانی سیکھے انداز فغان مجھ سے فغانی سیکھے
رونا مری آنکھوں سے کرے حاصل ابر دریا مرے اشکوں سے روانی سیکھے

نوٹ - یہ رباعی ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد جب محرم برسات میں پڑا تھا پڑھی گئی -

(۱۸۶)

آنکھ ابرِ بہاری سے لڑی رہتی ہے — اشکوں کی رَوا منہ پہ پڑی رہتی ہے

دونو آنکھیں ہیں مری ساون بھادوں — یاں سارے برس ایک جھڑی رہتی ہے

(۱۸۷)

ہر چشم سے اشکوں کی روانی ہو جائے — مقبول مری مرثیہ خوانی ہو جائے

فصلِ باری سے ہوں وہ آنسو جاری — ساون کی گھٹا شرم سے پانی ہو جائے

(۱۸۸)

جس جا ذکرِ حسین ہو جاتا ہے — رونے سے لوگوں کو چین ہو جاتا ہے

آ کر بزمِ عزائے شہ میں رونا — ہر چشم کو فرضِ عین ہو جاتا ہے

(۱۸۹)

آئینۂ خاطر کی جلا ہے رونا — اور دیدۂ مردم کی ضیا ہے رونا

پوچھا جو علاجِ دل مسیحا نے کہا — ہر درد کی دنیا میں دوا ہے رونا

(۱۹۰)

عمر اپنی غم شہ میں بسر کر لے تو   آنکھوں کو بھی آنسوؤں سے تر کر لے تو

رکھ ہاتھوں کو اپنے شغل ماتم میں سدا   پھر قصر جناں انیس گھر کر لے تو

(۱۹۱)

کس کام آئے گی تیز ہوشی تیری   ہے بزم عزا میں گرم جوشی تیری

مجلس میں گرے جو اشک حضرت پہ عزیز   ہے عین خطا یہ چشم پوشی تیری

(۱۹۲)

ہوتی ہے ہر ایک شے کی عالم میں بہار   شادی کی خوشی میں غم کی ہے غم میں بہار

چھایا ہے یوں سیاہ ابر اندوہ و ملال   رونے کی ہے عشرۂ محرم میں بہار

(۱۹۳)

دن جو یہ رونے میں بسر ہو جائیں   خوشنود شہ تشنہ جگر ہو جائیں

موتی سے فزوں تر ہوں بہا میں یہ اشک   حضرت کو جو منظور نظر ہو جائیں

(۱۹۴)

شبیر کا حشر تک ہے ماتم باقی
اور زیست کا عرصہ ہے بہت کم باقی
جی بھر کے حسین ابن علی کو رو لو
اب نصف ہے عشرۂ محرم باقی

(۱۹۵)

کس طرح کرے نہ ایک عالم افسوس
جی بھر کے کیا نہ شہ کا ماتم افسوس
کیا جلد گزر گئے یہ دس دن غم کے
کیوں صاحبو ہو چکا محرم افسوس

(۱۹۶)

اے شاہ کے غم میں جان کھونے والو
اے ابن علی کے صدقے ہونے والو
اس اجر عظیم کو نہ دو ہاتھوں سے
اب وہی شبیں اور ہیں رونے والو

(۱۹۷)

عشرے کے جو دن یاد ہمیں آتے ہیں
جی بھر کے نہ روئے یہی پچھتاتے ہیں
رونا آئے تو خوب رو لو یارو
چہلم کے بھی ایام چلے جاتے ہیں

(۱۹۸)

عریاں سر خاتون زمن ہے اب تک ناموس نبی ایذا و محن ہے اب تک

جہلم کے ہیں دن خاک اڑاؤ یارو شبیر کی لاش بے کفن ہے اب تک

چشم عزادار

(۱۹۹)

سوز غم شہ سے داغ داغ آنکھیں ہیں گل لخت جگر ہے باغ باغ آنکھیں ہیں

چشم بد دور بزم ماتم ہے نور آنسو روغن ہے اور چراغ آنکھیں ہیں

چشم عزادار

(۲۰۰)

ہیں سوگ میں شبیر کے ہر دم آنکھیں رہتی ہیں تمام سال پرنم آنکھیں

بیجا نہیں دست مژہ کی جنبش کرتی ہیں غم شاہ میں ماتم آنکھیں

مردم چشم

(۲۰۱)

شبیر کے غم میں دل کو بیتابی ہے — شادی کی اس اندوہ میں نایابی ہے

دونوں آنکھیں ہماری دو دریا ہیں — ہر مردم چشم مردم آبی ہے

(۲۰۲)

میخانۂ کوثر کا شرابی ہوں میں — کیا قبر کا خوف بو ترابی ہوں میں

کہتی ہے یہ چشم خشک رکھو نہ مجھے — اے اہل نظر مردم آبی ہوں میں

مژگان اشک آلود

(۲۰۳)

ہاں جوش غم سرو عالی ہو جائے — چھڑوں نہ ان اشکوں سے بحالی ہو جائے

یوں لخت جگر چشم سے ٹپکیں پیہم — ہر موئے مژہ پھولوں کی ڈالی ہو جائے

(۲۰۴)

دل ماتم شبیر میں صد پارہ ہے — نہ ضبط فغاں نہ صبر کا یارا ہے

ہر مرتبہ جوشش نہ ہو دریائے غم کا — ہر موئے مژہ چشم کا فوارہ ہے

(۲۰۵)

کیا دست مژہ کو ہاتھ آئی تسبیح — سبحان اللہ کیا بنائی تسبیح

آنسو نہیں رکتے ہیں غم شہ میں یہ — آنکھوں سے لگی ہے کربلائی تسبیح

اشک عزا

(۲۰۶)

ہر اشک عزادار در یکتا ہے — قیمت فردوس و کوثر و طوبیٰ ہے

اللہ ہے مشتری فروشندہ رسول — کیا جنس ہے کیا بہا ہے کیا سودا ہے

(۲۰۷)

جب دل غم شہ سے داغ ہو جاتا ہے — ہر گوشہ قبر باغ ہو جاتا ہے

مردم کہتے ہیں جس کو یاں وہ اشک — واں گوہر شب چراغ ہو جاتا ہے

(۲۰۸)

مجلس میں عجب بہار چشم تر ہے — ہر لخت جگر رشک گل احمر ہے
اشکوں سے ہو کیوں نہ آبرو آنکھوں کی — بے قدر ہے وہ صدف جو بے گوہر ہے

دبیر

اشک غم شبیر دُر یکتا ہے — ہر دیدۂ حق بیں سے یہ دُر پیدا ہے
بے اشک عزا آبروئے چشم ہے خاک — پانی نہ ہو جس میں وہ کنواں اندھا ہے

حیات دبیر

(۲۰۹)

مصروف جو رونے کی طرف آنکھیں ہیں — مردم کے لئے عزّ و شرف آنکھیں ہیں
جوش غم شبیر سے دل دریا ہے — آنسو گوہر ہیں اور صدف آنکھیں ہیں

(۲۱۰)

رونے سے جو بہرہ مند ہوں گی آنکھیں — خالق کو وہی پسند ہوں گی آنکھیں
ہے عین یقیں کہ آنسوؤں کا عقدہ — کھل جائے گا سب جو بند ہوں گی آنکھیں

(۲۱۱)

اختر سے بھی آبرو میں بہتر ہیں اشک   اللہ ہی مشتری و گوہر ہیں یہ اشک

آنکھوں سے لگا کے انکو کہتے ہیں ملک   گوہر نہیں نور چشم کوثر ہیں یہ اشک

(۲۱۲)

نا گھر میں کفن نہ بوریا رکھتے ہیں   دامن میں گل اشک عزا رکھتے ہیں

انجام پہ ہے نظر سوم ہو کہ نہ ہو   یہ پھول ابھی سے ہم اٹھا رکھتے ہیں

(۲۱۳)

رونے کا رسول حق صلا دیتے ہیں   شیعوں کو ملائکہ دعا دیتے ہیں

کہتا ہے یہ چشم سے ٹپک کر آنسو   ہم وہ ہیں کہ دوزخ کو بجھا دیتے ہیں

(۲۱۴)

جو قطرہ اشک ہے دل آرام ہے یہ   فیض غم شبیر خوش انجام ہے یہ

آنکھوں کی ضیا تقویت قلب و دماغ   آنسو نہ سمجھ روغن بادام ہے یہ

(۲۱۵)

داغِ غمِ شہ سینہ میں گل بوٹے ہیں — کیا کیا گہر بیش بہا بوٹے ہیں

مجلس میں یہ پاسے جو کہ روتے نہیں — اشک انکے بھی موتی ہیں مگر جھوٹے ہیں

دبیر

مجلس میں گل اشکِ عزا بوٹے ہیں — ثابت ہے ولا شیشۂ دل ٹوٹے ہیں

یاں اشکِ بہائی کا بھی ہے مول بہشت — موتی سچے ہیں جوہری جھوٹے ہیں

صح مثانی

داغِ دل

(۲۱۶)

روشن جو ہر ایک داغ ہو جاتا ہے — سینہ جنت کا باغ ہو جاتا ہے

دلِ اہلِ عزا کا غم سے جلتے جلتے — چہلم میں چہل چراغ ہو جاتا ہے

(۲۱۷)

بخشش میں غمِ شاہ کو کافی پایا — تربت میں بھی لطفِ سینہ صافی پایا

وہ رخ کیسا دکھا کے داغوں کا چراغ — ہے نے پروانہ معافی پایا

(۲۱۸)

آنسو رخِ مومن کے لئے غازہ ہے ۔۔۔ شیعہ کی لحدِ خلد کا دروازہ ہے
داغِ غمِ شاہ سے ہے تربت روشن ۔۔۔ یہ پھول خزاں میں بھی تر و تازہ ہے

سوزشِ قلب

(۲۱۹)

سوزِ غمِ سرور سے جگر جلتا ہے ۔۔۔ دن بھر جلتا ہے رات بھر جلتا ہے
سینہ مرا اِس کا تعزیہ خانہ ہے ۔۔۔ دل جلتا ہے یوں جیسے اگر جلتا ہے

ثوابِ آہ و نالہ

(۲۲۰)

ہم لوگ اگر قدرِ غمِ شاہ کریں ۔۔۔ سر پیٹنے سے ہاتھ نہ کوتاہ کریں
ہر دانۂ اشک سے ہے ثوابِ تسبیح ۔۔۔ تہلیل کا اجر ہے اگر آہ کریں

محبتِ حسینؑ میں موت

(۲۲۱)

جز مدح سخن منھ سے کوئی کم نکلے | ہر دم سینہ سے آہ پُر غم نکلے
روحی بفداک یا حسینؑ ابنِ علیؑ | نکلے تو محبت میں تری دم نکلے

رباعیات

(۲۲۲-۲۸۷)

شہادت حضرت علیؑ

داماد رسول کی شہادت ہے آج | معصومۂ فاطمہؑ پہ آفت ہے آج
جنت میں تڑپتے ہیں رسول الثقلین | خاتونِ قیامت پہ قیامت ہے آج

(۲۲۳)

ہے آج وہ دن کہ انبیا روتے ہیں | گردونِ پہ ملک اشکوں سے منھ دھوتے ہیں
دنیا سے محمدؐ کا وصی اٹھتا ہے | بن باپ کے سبطین نبی ہوتے ہیں

(۲۲۴)

گردوں پہ ملک ہیں نوحہ خوانِ حیدرؑ ذاکر بھی ہے مصروف بیانِ حیدرؑ

ہر گھر میں ہے آج بزمِ ماتم برپا رونے کو ہیں جمع شیعیانِ حیدرؑ

(۲۲۵)

گھر سے جو پئے نماز باہر نکلے مرنے پہ کمر باندھ کے حیدرؑ نکلے

واللہ کہ حق خانہ زادی یہ ہے نکلے جو خدا کے گھر سے مر کر نکلے

(۲۲۶)

مسجد میں چراغ دین خاموش ہوا ہر سمت فغان و آہ کا جوش ہوا

پہنا ملبوس نیلگوں گردوں نے کعبہ اسی ماتم میں سیہ پوش ہوا

(۲۲۷)

کعبہ میں جسے حق نے اتارا ہوگا مرحب سے جوان کو جس نے مارا ہوگا

تلوار سے اک شقی کی سبحان اللہ سجدہ میں اسی کا سر دوپارا ہوگا

روانگی امام حسینؑ از مدینہ

(۲۲۸)

کیوں آہ نہ شیعوں کے جگر سے نکلے — کس طرح نہ اشکِ چشمِ تر سے نکلے
کیوں دل نہ اداس ہوں عزاداروں کے — شبیرؑ اِنھیں دنوں میں گھر سے نکلے

مفارقت بیت اللہ

(۲۲۹)

گھر چھوڑ کے ملعونوں کے شر سے نکلے — اور روضۂ سیّدالبشر سے نکلے
کعبہ میں بھی ملعونوں نے رہنے نہ دیا — روتے ہوئے اللہ کے گھر سے نکلے

دبیر

ہے کشورِ دل کو فوجِ غم نے لوٹا — اور شیشۂ صبر سنگِ غم سے ٹوٹا
یہ ماہِ رجب وہ ہے کہ جس میں شہ سے — نانا کی لحد چھٹی مدینہ چھوٹا

مراثی دبیر جلد ۲

شہادت پسران جناب مسلمؑ

(۲۳۰)

چلاتے تھے مسلم کے پسر قتل نہ کر مظلوم ہیں اور بے پدر قتل نہ کر
ہم بے وطنوں پہ رحم کر اے حارث للہ ہمیں بیچ لے پر قتل نہ کر

آمد ماہ محرم

(۲۳۱)

اے یارو محرم کا مہینہ آیا سر پیٹو غم شاہ مدینہ آیا
کیا بیٹھے ہو سر پہ خاک اڑاؤ لوگو احمدؐ کا تباہی میں سفینہ آیا

(۲۳۲)

اے اہل عزا عزا کے دن آپہونچے غم کی راتیں بکا کے دن آپہونچے
فریاد کہ فاطمہؑ کی بستی اجڑی آبادی کربلا کے دن آپہونچے

امام کا کربلا میں داخلہ

(۲۳۳)

کفار کا لشکر لب دریا اترا — جو مالک کوثر تھا الگ جا اترا

گھوڑے سے جو کربلا میں اترے شبیر — غل تھا کہ زمیں پہ عرش اعلا اترا

امام کو لب نہر اترنے کی ممانعت

(۲۳۴)

خیمہ لب نہر شہ کو کرنے نہ دیا — پانی بھی بہشتیوں کو بھرنے نہ دیا

پہلی یہی دعوت تھی کہ ملعونوں نے — دریا پہ مسافر کو اترنے نہ دیا

شب عاشور محرم

(۲۳۵)

شہ کہتے تھے عاشق الٰہی ہوں میں — ہستی سے عدم کی سمت راہی ہوں میں

جی بھر کے مجھے دیکھ لو زینب شب بھر — واللہ چراغ صبح گاہی ہوں میں

(٢٣٦)

اے مومنو فاطمہؑ کا پیارا شبیرؑ — کل جائے گا بھوکا پیاسا مارا شبیرؑ

ہو جائیں گے سب تعزیہ خانے سنسان — آج اور ہے مہمان تمہارا شبیرؑ

قتل حسینؑ کے منصوبے

(٢٣٧)

کہتے تھے لعیں لوٹ میں ہم پائیں گے — اسباب شہ جن و بشر پائیں گے

یہ گوہر مقصود ملے گا اس دم — جب فاطمہؑ کے لال کا سر پائیں گے

گرمی عاشور

(٢٣٨)

پتھر بھی حرارت سے پگھل جاتے تھے — پھکتے تھے بدن رنگ بدل جاتے تھے

اللہ ری ہوائے گرم روز عاشور — جب آتی تھی لو درخت جل جاتے تھے

تشنگیٔ حسینؑ کا فاطمہؑ پر اثر

(۲۳۹)

کہتی تھی بتولؑ آہ یا رب کیا ہے — کچھ خود بخود آج دل مرا امڈا ہے
پڑتی ہے گلے میں آبِ کوثر کی گرہ — شاید مرا شبیرؑ کہیں پیاسا ہے

تشنگیٔ امام حسینؑ

(۲۴۰)

مظلوم نہ شاہِ بحر و بر سا ہوگا — مینھ تیروں کا یوں کسی پہ برسا ہوگا
پیاسے رہے کربلا میں جس طرح حسینؑ — یوں گبر بھی پانی کو نہ ترسا ہوگا

مصائب شہدائے کربلا

(۲۴۱)

عباسؑ کو لطفِ زندگانی نہ ملا — اکبرؑ کو بھی کچھ حظِ جوانی نہ ملا
اس موسمِ گرما میں غضب ہے یارو — شبیرؑ کو تین روز پانی نہ ملا

شہادت حضرت قاسمؑ ابن حسنؑ

(۲۴۲)

جھک جھک کے تو منہ ابن حسنؑ نے دیکھا — لیکن نہ سکینہ کی بہن نے دیکھا

آنسو نکل آئے مگر آنکھیں نہ کھلیں — لاش آئی تو دولھا کو دلھن نے دیکھا

(۲۴۳)

شمعوں کی طرح دولھوں کو جلتے دیکھا — آہوں کا دھواں منہ سے نکلتے دیکھا

افسوس کہ میداں میں بیاہے قاسمؑ نے — دیکھا جسے اس کو ہاتھ ملتے دیکھا

(۲۴۴)

دشمن کو بھی دے خدا نہ اولاد کا داغ — جاتا نہیں ہرگز دل ناشاد کا داغ

فرماتے تھے رو کے لاش قاسمؑ پہ حسینؑ — اولاد سے کم نہیں ہے داماد کا داغ

(۲۴۵)

قاسمؑ کو عدو نے خوں میں لال کیا — شبیرؑ نے یہ کہہ کے عجب حال کیا

تابوت پہ حسنؑ کے باپ کے مارے تیر — گھوڑوں کے سموں سے اس کو پامال کیا

شہادت حضرت عباسؑ

(۳۴۶)

خوں بھائی کا شہ کے روبرو بہتا تھا — پیاسے کا لہو کنارِ جو بہتا تھا

تھا بیچ میں سقائے حرم کا لاشہ — دریا تو ادھر ادھر لہو بہتا تھا

(۳۴۷)

شہ کہتے تھے عباسؑ سا اب نہ وزیر رہا — کیا اشک تھمیں کہ دل پہ قابو نہ رہا

یکدست گئی تاب و توانِ شبیرؑ — اس ہاتھ سے کیا ہو جس کا بازو نہ رہا

شہادت علی اکبرؑ و علی اصغرؑ

(۳۴۸)

بانو کہتی تھی ہائے اکبر نہ رہے — غم رہ گیا ہمشکل پیمبر نہ رہے

ہو کر چھ مہینہ کے گئے دنیا سے — گھر میں بھی رہے سال بھر بھی اصغر نہ رہے

شہادت علیؑ اصغرؑ

(۳۴۹)

ماں کہتی تھی راحت تمھیں آہ ملی　　تصویر تری خاک میں اے ماہ ملی

اماں صدقے ہو تم برس دن نہ جیے　　اصغرؑ تمھیں عمر ایسی کوتاہ ملی

دفن علیؑ اصغرؑ

(۳۵۰)

مر جائے جو فرزند تو کیا چارہ ہے　　بس صبر علاج دل صد پارہ ہے

اصغرؑ کو لٹا کے قبر میں شہؑ نے کہا　　آرام کرو اب یہی گہوارہ ہے

(۳۵۱)

جوشی تھی کہ چرخ بریں ہلتی تھی　　اک ایک صف لشکر کیں ہلتی تھی

اصغرؑ کو جو رن میں دفن کرتے تھے حسینؑ　　گہوارہ کی مانند زمیں ہلتی تھی

امام حسینؑ کی رخصت

(۲۵۲)

جب بیبیوں سے وداع ہوتے تھے حسینؑ
تقریر سے سب کے ہوش کھوتے تھے حسینؑ

سب کو تو تسلی دیئے جاتے تھے مگر
زینبؑ کی طرف دیکھ کے روتے تھے حسینؑ

امام حسینؑ کی بیکسی

(۲۵۳)

کہتی تھی بتول اے مرے پیارے شبیرؑ
کس بیکسی جاتے ہو ہمارے شبیرؑ

جنت کو سدھارے سب عزیز و رفقا
اب کوئی نہیں پاس تمہارے شبیرؑ

امام حسینؑ کی مظلومی

(۲۵۴)

میدان میں جب حضرت پہ ستم ہوتے تھے
زہراؑ و علیؑ اشکوں سے منہ دھوتے تھے

بھائی کیلئے ہوتے تھے شبیرؑ بیتاب
سر پیٹ کے محبوب خدا روتے تھے

جنابِ زینبؑ کا استغاثہ

(۲۵۵)

زینبؑ نے کہا ظلم و ستم ہوتا ہے — بے جرم کوئی شمر سا کم ہوتا ہے
یا شاہِ نجف آؤ مدد کی خاطر — سر بھائی کا سجدے میں قلم ہوتا ہے

امام حسینؑ کی زینبؑ سے محبت

(۲۵۶)

وہ کونسا صدمہ تھا جو شہ پر نہ ہوا — پانی بھی دمِ نزع میسر نہ ہوا
رویا کئے زینبؑ کی اسیری پہ حسینؑ — جب تک کہ رواں حلق پہ خنجر نہ ہوا

دبیر

زینبؑ بلوے میں ننگے سر پھرتی تھی — ہر سمت نہ شاہ کی نظر پھرتی تھی
تھی حشر کی ابتری قیامت برپا تھا — سر پھیرتا تھا جس سمت اُدھر پھرتی تھی

تشنگی امامؑ وقت قتل

(۲۵۷)

شہ کہتے تھے خالق کا شناسا ہوں میں
کر رحم پیمبر کا نواسا ہوں میں
کچھ پانی پلا کے قتل کرنا مجھکو
اے شمرؔ لعین کئی روز کا پیاسا ہوں میں

شہادت امام حسینؑ

(۲۵۸)

فریاد و فغان و رنج و غم کے دن ہیں
بے شبہ یہ اندوہ و الم کے دن ہیں
کیونکر نہ کریں لوگ قیامت برپا
بے سر ہے تن شبیرؑ ستم کے دن ہیں

(۲۵۹)

خوں میں شہ مظلوم کا سینہ ڈوبا
بطحا ہوا برباد مدینہ ڈوبا
کیا بیٹھے ہو سر پہ خاک اڑاؤ یارو
خشکی میں محمدؐ کا سفینہ ڈوبا

امام کی غرض سے سبکدوشی

(٢٦٦٠)

جب فتح حسین ذوی الاکرام ہوا　　ماتم کا حرم سرا میں کہرام ہوا
آئی تھی یہ شمر کے تن بے سر سے صدا　　اب بخشش امت کا سر انجام ہوا

حسین کی امت رسول سے محبت

(٢٦٦١)

تلواروں سے جسم شہ دیں چور ہوا　　تیروں سے بدن خانۂ زنبور ہوا
ہر چند کہ تھی کر میں شمشیر دو دم　　امت کا مگر قتل نہ منظور ہوا

پامالیٔ شہدا

(٢٦٦٢)

جب خاتمہ شاہ خوش اقبال کیا　　اعدا نے شہیدوں کا عجب حال کیا
گھوڑے دوڑائے جابجا سے زن زن　　سبزے کی طرح گلوں کو پامال کیا

(۲۶۳)

جھک گیا سجدے میں سر پاک حسینؑ — لٹ بٹ پڑے لٹکی پوشاک حسینؑ

فریاد ہے امت نے کفن کے بدلے — پامال کیا پیکر صدچاک حسینؑ

سیوم شہدائے کربلا

(۲۶۴)

مرقد بھی شہیدوں کے بنائے نہ گئے — کچھ لوگ بھی فاتحہ کو آئے نہ گئے

چالیسویں تک پڑے رہے مقتل میں — وہ پھول سوم کو بھی اٹھائے نہ گئے

دسواں

(۲۶۵)

بست دیکھو ماہ محرم ہے آج — جس آنکھ کو دیکھئے وہ پرنم ہے آج

عاشور ہے بیدفن ہے لاشہ جس کا — اس بے کفن و گور کا ماتم ہے آج

چہلم

(۲۶۶)

برہم ہے جہاں عجب تلاطم ہے آج — سب روتے ہیں دنیا میں خوشی گم ہے آج

چالیسویں تک گڑا نہ لاشہ جس کا — اُس بیکس و مظلوم کا چہلم ہے آج

(۲۶۷)

مارے گئے جو وہ سب لعین دفن ہوئے — زہرا کے نہ پیارے نازنین دفن ہوئے

عاشور محرم کو ہوئے قتل حسین — پر قبر میں بعد اربعین دفن ہوئے

دبیر

جو مر گئے فی الفور وہ سب دفن ہوئے — الا نہ حسین تشنہ لب دفن ہوئے

عاشورے سے چہلم کا تفاوت دیکھو — کب قتل ہوئے حسین کب دفن ہوئے

مراثی دبیر جلد ۲

(۲۶۸)

عریاں سر خاتون زمن ہی ابتک — ناموس پہ ایذا و محن سہے ہے ابتک

چہلم کے دن خاک اڑاؤ یارو — شبیر کی لاش بے کفن ہے ابتک

(۲۶۹)

صدقے ترے اے فاطمہؑ کے جائے حسینؑ — اُمت نے عجب دُکھ تجھے دکھلائے حسینؑ
عُریاں رہی لاش اک مہینہ دس دن — مر کر نہ کفن تجھ کو ملا ہائے حسینؑ

(۲۷۰)

رونے میں یہ رسم جو بسر ہوتا ہے — ہر اشکِ عزادار گہر ہوتا ہے
چہلم کی بھی مجلسیں ہیں آخر رو لو — اب ماہِ صفر کا بھی سفر ہوتا ہے

جسمِ امامؑ کے زخم

(۲۷۱)

عابدؑ کہتے تھے آہ کیا چارہ ہے — یہ لاشِ امامؑ وطن آوارہ ہے
گر جمع کریں انہیں تو قرآں ہو جائے — ہر عضوِ تنِ حسینؑ سیپارہ ہے

دفنِ امامِ حسینؑ

(۲۷۲)

جب دفن ہوا شیرِ خدا کا جانی
سجاد نے کی قبر پہ آبِ افشانی

شبیر کی پیاس کا کہوں کیا میں اثر
پیتی گئی خاک جتنا چھڑکا پانی

سکینہ بنتِ امامؑ کے مصائب

(۲۷۳)

کہتی تھی سکینہ گھر کا جلنا دیکھا
ماں بہنوں کا بلوے میں نکلنا دیکھا

زنداں میں گئی اور طمانچے کھائے
اِس چار برس کے سن میں کیا کیا دیکھا

اسیریِ اہلِ حرم

(۲۷۴)

جب شام کے زنداں میں حرم بند ہوئے
تاریکی سے بی بیوں کے دم بند ہوئے

سر پیٹ کے زینبؑ نے کہا وائے نصیب
بازو سے رسن کھلی تو ہم بند ہوئے

آل رسول کے مصائب

(۲۷۵)

اک کہنہ ردا آلِ عبا کو نہ ملے　　تربت شہِ مظلوم کربلا کو نہ ملے

کیا ظلم ہے یہ اے فلکِ نا انصاف　　پانی فرزند مصطفیٰ کو نہ ملے

برباد ہوئے خانۂ زہرا

(۲۷۶)

دشمن جو یزید بے ستم ایجاد ہوا　　محبوبِ خدا کا باغ برباد ہوا

لکھا ہے کہ کربلا میں گھر زہرا کا　　ایسا اُجڑا کہ پھر نہ آباد ہوا

دبیر

باران سے ہر اک خشک شجر سبز ہوا　　جو نخل جھٹا زیادہ تر سبز ہوا

پر باغیوں نے گلشن شاداب بتول　　ایسا کاٹا کہ پھر نہ پھر سبز ہوا

حیاتِ دبیر

غمِ حسینؑ ہر وقت تازہ ہے

(۲۷۷)

ہر وقت غمِ شاہِ زمن تازہ ہے
ہر فصل میں داغوں کا چمن تازہ ہے
شیعوں کے دلوں کے ساتھ درد عزا
جب دیکھئے یہ زخمِ کہن تازہ ہے

حضرت عباسؑ کی امام حسینؑ سے محبت

(۲۷۸)

ظاہر وہی الفت کے اثر ہیں اب تک
قربانِ شہ جن و بشر ہیں اب تک
ہوتے ہیں علم آگے جب اٹھتی ہے ضریح
عباسِ علیؑ سینہ سپر ہیں اب تک

غمِ امام حسینؑ

(۲۷۹)

زہرا جو بصد آہ و فغاں بیٹھتی ہیں
منھ ہاتھوں سے ڈھانپ کر جہاں بیٹھتی ہیں
کیا غم ہے کہ نورِ عینِ زہرا کے لئے
سر پیٹ کے ہر سو بیبیاں بیٹھتی ہیں

پدر کے غم میں حضرت عابدؑ کا حال

(۲۸۰)

عابدؑ کو سدا باپ کا غم رہتا تھا دامانِ مژہ اشکوں سے نم رہتا تھا

تھیں فرطِ بکا سے دونو آنکھیں مجروح رخسارِ مبارک پہ ورم رہتا تھا

(۲۸۱)

بن روئے نہ عابدؑ سے رہا جاتا تھا خطبہ سرِ منبر نہ پڑھا جاتا تھا

بیٹھنے میں اگر لیتے تھے وہ نامِ حسینؑ روتے تھے یہاں تک کہ غش آ جاتا تھا

(۲۸۲)

عابدؑ تھے مدام صبح ہوتے روتے جب جاگتے روتے جب کہ سوتے روتے

چالیس برس میں پدر کو روئے یاں تک رخسارے بھی گھل گئے تھے روتے روتے

(۲۸۳)

سجادِ حزیں شغلِ بکا رکھتے ہیں تر اشکوں سے رخسار سدا رکھتے ہیں

بھر آتا ہے دل دیکھ کے جامِ پُر آب یادِ عطشِ شاہِ ہدا رکھتے ہیں

(۲۸۴)

عابد کو کبھی خوش نہ ہوتے دیکھا — بے گریہ نہ جاگتے نہ سوتے دیکھا

شب سے تا صبح اور سحر سے تا شام — جب کوئی گیا آپ کو روتے دیکھا

(۲۸۵)

تھے ریت سے اپنے ہاتھ دھوئے سجاد — شب کو کبھی راحت سے نہ سوئے سجاد

جب تک جیے ہنستے نہ کسی نے دیکھا — چالیس برس باپ کو روئے سجاد

حضرت عابد کا صبر

(۲۸۶)

کیا رنج جفائے اشقیا سے کھینچا — لیکن نہ قدم راہِ رضا سے کھینچا

سردار تھے صابروں کے سجادِ حزیں — کانٹا بھی نہ جھک کر کفِ پا سے کھینچا

(۲۸۷)

سجاد کے چہرے سے تغیری نہ گئی — تھے کل کے امیر پر فقیری نہ گئی

زنجیر قدم ضعف رہا برسوں تک — آزاد ہوئے پر بھی اسیری نہ گئی

اخلاقیہ

بے ثباتی دُنیا و اہلِ دُنیا

پرساں کوئی کب جوہرِ ذاتی کا ہے ہر گُل کو گلہ کم التفاتی کا ہے

شبنم سے جو وجہ گریہ پوچھی تو کہا رونا فقط اپنی بے ثباتی کا ہے

(۲۸۹)

جس دن کہ فراق رُوح و تن میں ہوگا مشکل آنا اس انجمن میں ہوگا

نازاں تھا جو رخت نو پہنکر غافل اک روز یہی جسم کفن میں ہوگا

(۲۹۰)

طے منزلِ وحشت و محن ہوتی ہے فرقت مابین رُوح و تن ہوتی ہے

کیوں نام کفن سُن کے لرزتا ہے انیس اک دن یہ قبا زیبِ بدن ہوتی ہے

(۲۹۱)

جو شے ہے فنا اُسے بقا سمجھا ہے　　جو چیز ہے کم اُسے سوا سمجھا ہے

ہے بحرِ جہاں میں عمر مانندِ حباب　　غافل اِس زندگی کو کیا سمجھا ہے

سالگرہ

(۲۹۲)

دل سے طاقت بدن سے رس جاتا ہے　　آتا نہیں پھر کر جو نفس جاتا ہے

جب سالگرہ ہوئی تو عقدہ یہ کھلا　　یاں اور گرہ سے اک برس جاتا ہے

بندِ اجل

(۲۹۳)

کچھ عقل کسی کی میزاں میں بھی تلا نہ گیا　　چپ ہو گئے اس طرح کہ بولا نہ گیا

عقدے سب حل ہوئے مگر آہ انیس　　یہ بندِ اجل کسی سے کھولا نہ گیا

خیام

از جرمِ حضیضِ ارض تا اوجِ زحل کردم ہمہ مشکلاتِ عالم را حل

بیروں جستم ز بندِ ہر مکر و حیل ہر بند گشادہ شد مگر بندِ اجل

موت تمام مصائب کا خاتمہ کر دیتی ہے

(۲۹۴)

وہ موجِ حوادث کا تھپیڑا نہ رہا کشتی وہ ہوئی غرق وہ بیڑا نہ رہا

سارے جھگڑے تھے زندگانی تک انیسؔ جب ہم نہ رہے تو کچھ بکھیڑا نہ رہا

خیام

با بط می گفت ماہیے در تب و تاب باشد کہ بجوئے رفتہ باز آید آب

بط گفت کہ چون من و تو گشتیم کباب بعد از پس مرگ ما چہ دریا چہ سراب

دبیر

میں لاکھ کہوں طبع سمجھنے کی نہیں نا فہمی سے گو مجھ کو الجھنے کی نہیں

ہستی کو تاہ قصہ حرص دراز بے موت کے گتھی یہ سلجھنے کی نہیں

حیات دبیر

موت کیلئے ہے

(۲۹۵)

ہر آن تغیری ہے زمانے کے لئے — انسان کا دل ہے داغ اٹھانے کے لئے

بوڑھا ہو کہ نوجوان غنی ہو کہ فقیر — سب آئے ہیں اس خاک میں جانے کے لئے

مرنے کے بعد دوسروں کی محتاجی

(۲۹۶)

وہ تخت کدھر ہیں وہ کہاں تاج ہیں وہ — جو اوج پہ تھے زیرِ زمیں آج ہیں وہ

قرآن لکھ لکھ کے وقف جو کرتے تھے — اک سورۂ الحمد کے محتاج ہیں وہ

دبیر

دنیا کا عجیب کارخانہ دیکھا — کس کس کا نہ یاں ہم نے زمانہ دیکھا

برسوں رہا جن کے سر پہ چترِ زرّیں — تربت پہ نہ اُن کی شامیانہ دیکھا

حیات دبیر مطبع مثالی

جو پیدا ہوا ہے وہ مرے گا ضرور

(۲۹۷)

افسوس جہاں سے دوست کیا کیا نہ گئے — اس باغ سے کیا کیا گل رعنا نہ گئے

تھا کون سا نخل جس نے دیکھی نہ خزاں — وہ کون سے گل کھلے جو مرجھا نہ گئے

ہستی اک خواب ہے

(۲۹۸)

طفلی دیکھی شباب دیکھا ہم نے — ہستی کو حباب آب دیکھا ہم نے

جب آنکھ ہوئی بند تو عقدہ یہ کھلا — جو کچھ دیکھا سو خواب دیکھا ہم نے

خیام

با یار چو آرمیدہ باشی ہمہ عمر — لذات جہاں چشیدہ باشی ہمہ عمر

ہم آخر عمر رحلت باید کرد — خوابے باشد کہ دیدہ باشی ہمہ عمر

موت لازمی ہے

(٢٩٩)

اب گرم خبر موت کے آنے کی ہے — غافل تجھے فکر آب و دانے کی ہے

ہستی کے لئے ضرور اک دن ہے فنا — آنا تیرا دلیل جانے کی ہے

کوئی پہلے جاتا ہے کوئی بعد

(٣٠٠)

آلودہ عبث ہیں غم جانکاہ میں ہے — زندہ ہے وہ دل جو یاد اللہ میں ہے

اپنی واماندگی سے گھبرانا نہیں — پہونچا کوئی منزل پہ کوئی راہ میں ہے

جو کل تھے وہ آج نہیں

(٣٠١)

شاہوں کا وہ تخت و علم و تاج نہیں — یاں کچھ شرف غنی و محتاج نہیں

حسرت کی جگہ ہے کہ اکثر شخص — کل تک انہیں لوگوں میں تھے اور آج نہیں

سب آگے پیچھے چلے جاتے ہیں

(۳۰۲)

غافل ہے وہ جو عاقبت اندیش نہیں — وہ کونسا نوش ہے جو بے نیش نہیں

جاتے ہیں جہاں سے لوگ آگے پیچھے — افسوس کہ کچھ تجھکو پس و پیش نہیں

موت گھات میں ہے

(۳۰۳)

ادبار کا کھٹکا حشم و جاہ میں ہے — جاگو جاگو کہ خوف اس راہ میں ہے

اٹھو اٹھو یہ خواب غفلت کبتک — دیکھو دیکھو اجل کمینگاہ میں ہے

دنیا میں کوئی نہیں رہیگا

(۳۰۴)

آرام سے کس و ناکس تہ افلاک رہے — عالم میں اگر رہے تو کیا خاک رہے

عبرت کا محل ہے ہم رہیں دنیا میں — افسوس نہ جب پنجتن پاک رہے

نوٹ ۔ معمولی تغیر سے یہ رباعی جلد اول مراثی میر ضمیر مرحوم میں بھی موجود ہے۔

(۳۰۵)

آفاق میں مرنے کیلئے جینا ہے اس زیست کیا حسد ہے کیا کینا ہے

جم کا ہے نہ جام اور نہ دارا کا شکوہ احوال سکندر کا تو آئینا ہے

عمر دراز کا قصور

(۳۰۶)

سینہ میں یہ دم شمع سحرگاہی ہے جو ہے اس کا رواں نہیں وہ راہی ہے

پیچھے کبھی قافلہ سے ہٹتا نہیں اے عمر دراز تیری کوتاہی ہے

زادِ سفرِ مرگ

(۳۰۷)

کیوں آج دلا خیالِ فردا نہ کیا بھولا جو برے وقت کو اچھا نہ کیا

پیدا کیا سب کچھ تو مگر آہ نہیں زادِ سفرِ مرگ مہیا نہ کیا

(۳۰۸)

کچھ پند و نصیحت نے بھی تاثیر نہ کی
دنیا کے کسی کام میں تاخیر نہ کی

دن رات یہیں کے ساز و ساماں میں رہے
جانا ہے کہاں کچھ اس کی تدبیر نہ کی

(۳۰۹)

ہے کون جو رنج مرگ سہنے کا نہیں
احوال یہ گو مگو ہے کہنے کا نہیں

آمادۂ کوچ رہ جہاں میں غافل
ہشیار کہ یہ مقام رہنے کا نہیں

(۳۱۰)

گر لاکھ برس جیے تو پھر مرنا ہے
پیمانۂ عمر ایک دن بھرنا ہے

ہاں توشۂ آخرت مہیا کر لے
غافل تجھے دنیا سے سفر کرنا ہے

دبیر

گر چاہتا ہے جینے کی خاطر مرنا
ہو کر شہ مظلوم کا ذاکر مرنا

کوئی بھی رہا ہے درمیان دنیا
اول مرنا دبیر آخر مرنا

حیات دبیر

پیری

(۳۱۱)

پیری آئی غدائے بے نور ہوئے   یاران شباب پاس سے دور ہوئے

لازم ہے کفن کی یاد ہر وقت ہمیں   جو مشک سے بال تھے وہ کافور ہوئے

(۳۱۲)

راتیں نہ وہ اب ہونگی نہ خواب آئے گا   آیا بھی تو زیست کو جواب آئے گا

اٹھو اب انتظار کس کا ہے ہمیں   نہ عمر پھرے گی نہ شباب آئے گا

عصائے پیری

(۳۱۳)

پوشیدہ ہو خاک میں کہ پیرا ہی   منزل ہے یہی بشر کا ماوا ہے یہی

انگشت سے ہر بار یہ کہتا ہے عصا   اے پیر زمیں گیر تری جا ہے یہی

(۳۱۴)

ہشیار کہ وقت سازو برگ آیا ہے ۔۔۔ ہنگام یخ و برف و تگرگ آیا ہے

محتاج عصا ہوئے تو پیری نے کہا ۔۔۔ چلئے اب چوبدار مرگ آیا ہے

خیام

عاقل بچہ امید دریں شوم سرائے ۔۔۔ بردولت او دل بنہد از بہر خدائے

ہر گاہ کہ خواہد کہ نشیند از پائے ۔۔۔ گیرد اجلش دست کہ بالا پیمائے

دبیر

پیری سے جو دال قد میں خم اور ہوا ۔۔۔ دم تیز روِ ملک عدم اور ہوا

سمجھو نہ عصا سوئے عدم جانے کو ۔۔۔ دو پاؤں تو رکھتے ایک قدم اور ہوا

حیات دبیر

پشت خم

(۳۱۵)

ہر چند کہ ہے بلند پایہ سر کا ۔۔۔ پر حیف ہوا تمام مایہ سر کا

کہتی ہے یہ پشت خم کہ چل سوئے لحد ۔۔۔ گرتا ہے ترے پاؤں پہ سایہ سر کا

صبحِ پیری

(۳۱۶)

بالوں پہ غبارِ شیب ظاہر ہے اب　　ہشیار نہیں تو مسافر ہے اب
پیدا ہے سپیدی سحرِ پیری کی　　لے خواب سے چونک رات آخر ہے اب

صبحِ پیری

(۳۱۷)

پیری سے بدن زار ہوا زاری کر　　دنیا سے انیس اب تو بیزاری کر
کہتے ہیں زبانِ حال سے موئے سپید　　ہے صبحِ اجل کوچ کی تیاری کر

دبیر

اب نامِ خدا زباں پر جاری کر　　غافل دمِ آخری تو ہشیاری کر
بالوں کی سیاہی پہ سپیدی آئی　　لے صبح ہوئی کوچ کی تیاری کر

حیاتِ دبیر

ایضاً

کس خواب میں زندگی بسر کرتا ہے — کس فکر میں شام کو سحر کرتا ہے

طالع ہوئی صبح بج گیا کوس رحیل — بیدار ہو قافلہ سفر کرتا ہے

حیات دبیر

صبح پیری

(۳۱۸)

یہ عمر یونہی تمام ہو جائے گی — مرنے کی خبر بھی عام ہو جائے گی

روتے ہو انیس کیا جوانی کیلئے — پیری کی سحر بھی شام ہو جائے گی

زوال آفتاب عمر

(۳۱۹)

اب زیر قدم لحد کا باب آپہونچا — ہشیار ہو جلد وقت خواب آپہونچا

پیری کی بھی دوپہر ڈھلی آہ انیس — ہنگام غروب آفتاب آپہونچا

دبیر

برزخ کی صعوبات کٹے گی کیونکر — تنہائی میں اوقات کٹے گی کیونکر

غفلت میں دبیر صبح پیری ہوئی شام — دن رات سوا رات کٹے گی کیونکر

سبع مثانی

نفس کی آمد و شد

(۳۲۰)

دو دن کی حیات تک عبث غرّہ ہے — خورشید نہ بن خاک کا تو ذرّہ ہے

مر دم کے نہال زندگانی کے لئے — یہ آمد شد دم کی نہیں آرہ ہے

منزل قبر

(۳۲۱)

اے خواب سے چونک وقت بیداری ہے — لے زادِ سفر کوچ کی تیاری ہے

مر مر کے پہونچتے ہیں مسافر واں تک — یہ قبر کی منزل بھی غضب بھاری ہے

خفتگان لحد کا حال معلوم نہیں

(۳۲۲)

راحت میں بسر ہوئی کہ ایذا گزری — کیونکر تاریک گھر میں تنہا گزری

اے کنج لحد کے سونے والو بس — کس سے پوچھیں کہ تم پہ کیا کیا گزری

خیام

افسوس کہ سرمایہ زکف بیروں شد — در دست اجل بسے جگرہا خوں شد

کس نامد ازاں جہاں کہ تا پرسم ازو — کا حوال مسافراں عالم چوں شد

قفس لحد

(۳۲۳)

اُس مُلک سے دنیا کی ہوس میں آئے — اب جائیں کہاں اجل کے بس میں آئے

مر کر نکلے تو کنج مرقد پایا — جب دام سے چھوٹے تو قفس میں آئے

زمین کا پیار

(۳۲۴)

محبوب کو ہمکنار بھی دیکھ لیا — تربت دیکھی فشار بھی دیکھ لیا

سب بے مہری آسمانکے شاکی تھے بہت — صد شکر زمین کا پیار بھی دیکھ لیا

شب قبر

(۳۲۵)

درد و الم ممات کیونکر گزرے — یہ چند نفس حیات کیونکر گزرے

مرنے کا تو دن گزر گیا شکر انیس — اب دیکھیں لحد کی رات کیونکر گزرے

الفت قبر

(۳۲۶)

ہر مرکے مسافر نے بسایا ہے تجھے — رخ سب سے پھرا کے منہ دکھایا ہے تجھے

کیونکر نہ لپٹ کے تجھ سے سوؤں اے قبر — میں نے بھی تو جان دے کے پایا ہے تجھے

دبیر

گھر اپنا اجاڑ کر بسایا تجھ کو — ڈھانپا جو کفن سے منہ دکھایا تجھ کو

اے قبر کہاں کہاں کی تیری تلاش — جب خاک میں مل گئے تو پایا تجھ کو

ایضاً

مر کر بھی نہ چین زیرِ افلاک ملا — اک تارِ کفن نہ گرد سے پاک ملا

اے خانہ خراب قبر تیری خاطر — کھویا بھی جو نقدِ جاں تو کیا خاک ملا

حیاتِ دبیر

گوشۂ لحد

(۳۲۷)

خاموشی میں یاں لذتِ گویائی ہے — آنکھیں جو ہیں بند عینِ بینائی ہے

نہ دوست کا جھگڑا نہ کسی دشمن کا — مرقد بھی عجب گوشۂ تنہائی ہے

گوشۂ لحد

(۳۲۸)

آغوشِ لحد میں جبکہ سونا ہوگا — جز خاک نہ تکیہ نہ بچھونا ہوگا

تنہائی میں آہ کون ہوئیگا انیس[1] — ہم ہوئیں گے اور قبر کا کونا ہوگا

---

[1] یہ رباعی معمولی تغیر کے ساتھ مراثی میر مونس مرحوم میں بھی موجود ہے۔

خوابِ لحد

(۳۲۹)

جب دارِ فنا سے جان کھونا ہوگا — میت پہ عجب طرح کا رونا ہوگا

عادت نہیں منہ ڈھانپ کے سونے کی انیس — کیا گزرے گی جب قبر میں سونا ہوگا

بسترِ قبر

(۳۳۰)

اک روز جہاں سے جان کھونا ہوگا — گھر چھوڑ کے زیرِ خاک سونا ہوگا

بارش سے سروکار نہ بستر سے غرض — اپنا کسی کھیت میں بچھونا ہوگا

دبیر

اک دن پیوندِ خاک ہونا ہوگا — تنہا تنہا لحد میں سونا ہوگا

اس قبر کے بستر پہ دیکھا کھلا حال دبیر — جو اوڑھنا ہوگا وہ بچھونا ہوگا

سبحانی

رفیقِ لحد

(۳۳۱)

جس دم نزدیک وقتِ رحلت ہوگا — یارو کیا ہی مقامِ حسرت ہوگا

کوئی عملِ نیک نہ ہوگا جز یاس — آخر کو وہی رفیقِ تربت ہوگا

راہِ بہشت

(۳۳۲)

دل سے دُنیا کے ولولے جاتے ہیں — اک آن میں طوبیٰ کے تلے جاتے ہیں

ہے راہِ بہشت کتنی ہموار انیسؔ — بند آنکھیں کیے لوگ چلے جاتے ہیں

مذمتِ دُنیا

(۳۳۳)

جس شخص کو عقبیٰ کی طلبگاری ہے — دُنیا سے ہمیشہ اُسے بیزاری ہے

اک چشم میں کس طرح سمائیں دونو — غافل یہ خواب ہے، وہ بیداری ہے

دبیر

آج آئے ہیں کل کوچ کی تیاری ہے   غفلت میں کٹی عمر یہ ہشیاری ہے

دنیا ہے عجب مقام حیرت نہ کھلا   یہ عالم خواب ہے کہ بیداری ہے

سبع شانی

نشیب و فراز دنیا

(۳۳۴)

جز غم کوئی عشرت یہاں نہ دیکھی   پایا اسے ویران جو بستی دیکھی

جو فیل نشین تھے کل پیادہ ہیں آج   دنیا کی بلندی میں یہ پستی دیکھی

دنیا مرقع شادی و غم ہے

(۳۳۵)

ویران ہے کوئی گھر کہیں آبادی ہے   راحت ہے کوئی اور کوئی فریادی ہے

اک عشرت و غم کا ہے مرقع دنیا   ماتم ہے کسی جا تو کہیں شادی ہے

دُنیا کاروانسرا ہے

(۳۳۶)

کیا سوچ کے اس دارِ فنا میں آئے　　آفت میں پھنسے ہم بلا میں آئے

اس طرح عدم سے آئے دُنیا میں انیس　　جیسے کوئی کاروان سرا میں آئے

راحت دُنیا میں ممکن نہیں

(۳۳۷)

فردوس سراک قبر کا کونا ہوگا　　مخمل ہمیں خاک کا بچھونا ہوگا

راحت دُنیا میں کس نے پائی ہے انیس　　آرام سے ہاں لحد میں سونا ہوگا

آئینہ ظاہر کی صورتگری کرتا ہے

(۳۳۸)

دُنیا سے ہائی ہو یہ خیال نہیں　　جھوٹے بھی جو مر کر تو پروبال نہین

ظاہر بینون کو کیا خبر باطن کی　　آئینہ میں عکس صورت حال نہین

دنیا میں بجز نقصان کچھ حاصل نہیں

(۳۳۹)

دل میں غم یاران وطن لے کے چلے — اس باغ سے داغوں کا چمن لے کے چلے

نقصان کے سوا کچھ نہ ہوا حاصل آہ — جاں لے کے یہاں آئے تھے تن لے کے چلے

دنیا کی زحمتوں کا علاج موت ہے

(۳۴۰)

کانوں میں صدا حرف پریشانی ہے — دیکھا جدھر آنکھ اٹھا کے ویرانی ہے

مشہور ہے علاج دردِ سر ہے صندل — یاں خاک لحد صندل پیشانی ہے

دنیا میں خاک کے سوا کچھ نہیں

(۳۴۱)

ہر چند زمیں پست فلک عالی ہے — پر ایک نصیب کس کو خوشحالی ہے

ہے چرخ کہن شیشۂ ساعت گویا — ہے خاک ادھر اور ادھر خالی ہے

تنگیٔ دنیا

(۳۴۲)

کھینچے ہوئے سر کو تو کہاں پھرتا ہے پیری میں بہ شکلِ نوجواں پھرتا ہے
عرصہ ہے جہاں کا اس قدر تنگ و حقیر خم ہو کے زمیں پہ آسماں پھرتا ہے

بے وفائی دنیا

(۳۴۳)

مائل نہیں طبعِ پاک اس دنیا پر مردم ہیں عبث ہلاک اس دنیا پر
فرزندِ ابو تراب محتاجِ لحد تف اس دنیا پہ خاک اس دنیا پر

دنیا کا حال کسی کو معلوم نہیں

(۳۴۴)

آنکھیں کھولیں مگر یہ پردا نہ کھلا سب ہم پہ کھلا یہ حالِ دنیا نہ کھلا
دریائے تفکر میں رہے برسوں غرق مانند حباب یہ معما نہ کھلا

دُنیا گومگو ہے

(۳۴۵)

لالے سے عیاں بہار سرخوشی ہے　　نرگس کو جو دیکھے تو مدہوشی ہے

کیسی یہ گومگو ہے اے ربِّ کلیم　　بلبل نالاں ہے گل کو خاموشی ہے

دُنیا سے کچھ ساتھ نہیں جاتا

(۳۴۶)

جب خاک میں ہستی کا چمن ملتا ہے　　یاران وطن پھر نہ وطن ملتا ہے

اسباب جہاں سے دیکھ تو اے غافل　　مٹی ملتی ہے اور کفن ملتا ہے

دُنیا ایک دام ہے

(۳۴۷)

دُنیا کو نہ جانو کہ دلآرام ہے یہ　　اے پختہ مزاج جو طمع خام ہے یہ

ہاں سوچ کے پاؤں اس زمیں پر رکھو　　چھٹتا نہیں پھنس کے جس میں وہ دام ہے یہ

دُنیا قید خانہ ہے

(۳۴۸)

ایذا سے نہ کوئی اہلِ حسن صلا چھوٹا   ادنا چھوٹا نہ کوئی اعلا چھوٹا

دُنیا کا بھی زندان ہے عجب مہلک و سخت   جس میں پھنس کر نہ کوئی بندا چھوٹا

زمین و آسمان چکّی کے مثل ہیں

(۳۴۹)

دُنیا جسے کہتے ہیں بلا خانہ ہے   پامال ہے جو عاقل و فرزانہ ہے

ما بین زمین و آسمان یوں ہم ہیں   جیسے دو آسیا میں اک دانہ ہے

دُنیا میں ہر ایک کے لئے گردش ہے

(۳۵۰)

دُنیا میں کسی کا نہ سہارا دیکھا   بچنے کا نہ غم سے کوئی چارا دیکھا

کچھ بخت ہمارے ہی نہیں برگشتہ   گردش میں فلک کا بھی ستارا دیکھا

ایضاً

(۳۵۱)

گر عجز اگر عاقل و فرزانہ ہے   دانائی پہ بھولا ہے تو دیوانہ ہے

تسبیح کے دانوں پہ نظر کر ناداں   گردش میں سدا رہتا ہے جو دانہ ہے

قطع ہستی یا ترک دنیا

(۳۵۲)

دل بت سے اٹھا کے حق پرستی کیجے   بے تیغ انیس قطع ہستی کیجے

آخر اک دن یہ پاؤں ہونگے بیکار   بہتر ہے یہی کہ پیش دستی کیجے

ایضاً

(۳۵۳)

ضائع نہ کر آغوش کے پالے دلکو   کرتے ہیں پسند درد والے دلکو

درکار[1] اگر ہے زاد راہ عقبیٰ   بت چھوڑ کے دنیا سے اٹھالے دلکو

[1] لفظ ''درکار'' کو ''منظور'' سے بدلکر یہ رباعی جلد مراثی میر مونس میں بھی طبع ہوئی ہے ۱۲

بداعمالی پر ندامت

(٣٥٤)

اندیشۂ باطل سحر و شام کیا — عقبیٰ کا نہ ہائے کچھ سرانجام کیا

ناکام چلے جہاں سے افسوس نہیں — کس کام کو یاں آئے تھے کیا کام کیا

توبہ

(٣٥٥)

عصیاں سے ہوں شرمسار توبہ یا رب — کرتا ہوں میں بار بار توبہ یا رب

نہ جرم کا پایاں نہ گناہوں کا شمار — اک توبہ کیا ہزار توبہ یا رب

گریۂ ندامت

(٣٥٦)

جب دیکھینگی احوال قیامت آنکھیں — کھینچیں گی بڑی بڑی ندامت آنکھیں

چلتی ہے زباں دہن میں کچھ عذر تو کر — رولے کہ ابھی تک ہیں سلامت آنکھیں

انفعال

(۳۵۷)

افسوس یہاں سے نہ سبکبار چلے — ایذا و مصیبت میں گرفتار چلے
دنیا میں تو بیگناہ آئے وا اسف — کیا ہے کہ عقبےٰ میں گنہگار چلے

آخرت سے بیخبری پر پشیمانی

(۳۵۸)

جینے سے طبیعت اب ہٹی جاتی ہے — غفلت ہی میں اوقات کٹی جاتی ہے
یہ بے خبری ہزار افسوس انیسؔ — بڑھتے ہیں گنہ عمر گھٹی جاتی ہے

پیری میں آخرت سے بیخبری

(۳۵۹)

عقبیٰ کے ہر اک کام سے ناکام ہے تو — اس وقت میں بھی طالب آرام ہے تو
اے وائے انیسؔ پختہ کاری یہ تری — سب بال تو پک گئے مگر خام ہے تو

مرنے کے بعد اعمال ساتھ جاتے ہیں

(۳۶۰)

کیا کیا دنیا سے صاحبِ اقبال گئے　　دولت نہ گئی ساتھ نہ اطفال گئے
پہونچا کے لحد تلک پھر آئے سب دوست　　ہمراہ اگر گئے تو اعمال گئے

سیاہی قلب

(۳۶۱)

ہے مملکتِ جسم میں شاہی دل کی　　کچھ تو نے نہ دوستی نباہی دل کی
بعد اس کے دعائے روسفیدی کرنا　　پہلے دھو لے ذرا سیاہی دل کی

ایضاً

(۳۶۲)

تا چرخ فغان صبحگاہی نہ گئی　　جو سر سے کبھی گرد تباہی نہ گئی
سب ریش سفید ہو گئی آہ انیس　　پر اک سر مو دل کی سیاہی نہ گئی

ایضاً

(۳۶۳)

ہردم ہے خیال عذرخواہی دل میں
مطلق نہیں کچھ خوفِ الٰہی دل میں

نافہ کی طرح خطا میں گزری سب عمر
بالوں پہ سپیدی ہے سیاہی دل میں

کدورتِ قلب

(۳۶۴)

گر ہاتھ میں زر نہیں تو کچھ باک نہیں
موجود کفن تو ہے جو پوشاک نہیں

کہنے کو ہے خاک و آتش و آب و ہوا
یاں گرد کدورت کے سوا خاک نہیں

ایضاً

(۳۶۵)

الفت ہے نہ پاس ربط دیرینہ ہے
منہ پر تو ہیں صاف قلب میں کینہ ہے

گر کیجیے امتحاں تو قلعی کھل جائے
یاں سب کے دلوں کا حال آئینہ ہے

اس زمانہ میں کوئی فارغ البال نہیں

(۳۶۶)

انساں ہی کچھ اس دور میں بدحال نہیں — سچ ہے کوئی آسودہ و خوشحال نہیں

اندیشۂ آشیان و خوفِ صیاد — مرغانِ چمن بھی فارغ البال نہیں

مذمت زمانہ

(۳۶۷)

کس بات میں کید کس میں تنزید نہیں — جز حرفِ غلط زبانِ تقریر نہیں

اس عہد میں راستی کا کیونکر ہو رواج — یہ سطر کج ہے قلم کی تقصیر نہیں

انصاف کی نایابی

(۳۶۸)

کچھ فرق کلامِ کہنہ و نو میں نہیں — منصف ڈھونڈو تو ایک بھی یہیں نہیں

تھا یوں نہ کبھی گوہرِ مضموں بے قدر — انصاف فلک تیری قلمرو میں نہیں

انتخابِ احباب

(۳۶۹)

نافہم سے کب دادِ سخن لیتا ہوں
دشمن ہو کہ دوست سب کی سن لیتا ہوں
چھپتی نہیں بوئے دوستاں کی رنگت
کانٹوں کو ہٹا کے پھول چن لیتا ہوں

دوستوں سے مایوسی

(۳۷۰)

احباب سے امید ہے بیجا مجھکو
امید عطائے حق ہے زیبا مجھکو
کیا ان سے توقع کہ میانِ مرقد
چھوڑ آئیں گے اک روز یہ تنہا مجھکو

ایضاً

(۳۷۱)

مال و زر و افسر و حشم ملتا ہے
ممکن ہے نگین طبل و علم ملتا ہے
عنقا گوگرد سرخ پارس اکسیر
یہ سب ملتے ہیں دوست کم ملتا ہے

ایضاً

(۳۷۲)

افسوس کہ چین مصطفےٰ کو نہ ملے
آرام علی مرتضیٰ کو نہ ملے

ہم لوگ کسی سے کیا توقع رکھیں
راحت بندوں سے جب خدا کو نہ ملے

دبیر

بلبل یہ زمانہ ایک گل کا نہ ہوا
محکوم آئمہ و رسل کا نہ ہوا

بندوں کو عبث خیال یکتائی ہے
اللہ پہ اتفاق کل کا نہ ہوا

المیزان

ضعف پیری

(۳۷۳)

خاطر کو کبھی نہ مطمئن دکھلایا
اے عمر دراز خوب بن دکھلایا

ہلتا ہے جو سر تو کہتے ہیں مُوئے سپید
راتوں نے شباب کی یہ دن دکھلایا

ایضاً

(۳۷۴)

جبتک ہے جواں سیرِ نظارہ ہے — پیری ہے بھلا بشر کا کیا چارہ ہے
جھک جائے سوئے زمیں کیونکر قدِ راست — اک درج پہ یہ خاک کا پشتارہ ہے

ایضاً

(۳۷۵)

پیری میں یہ تن کا حال ہو جاتا ہے — ہر موئے بدن بال ہو جاتا ہے
دنیا میں عروج کو بھی اک دن ہے زوال — جب بدر گھٹا ہلال ہو جاتا ہے

ایضاً

(۳۷۶)

مجموعۂ خاطر ان دنوں ابتر ہے — جو رگ ہے بدن میں رشتۂ مسطر ہے
معنی سے بھرا ہوا ہے دل شکل کتاب — کیا غم ہے جو تن مثل قلم لاغر ہے

جو کچھ کرنا ہے جوانی میں کر لو

(۳۷۷)

جب اُٹھ گیا سایہ جوانی سر سے
پھر ہو گی جدا نہ سرگرانی سر سے
کچھ ہو گا نہ ہاتھ پاؤں مارے سے انیسؔ
جس وقت گزر جائے گا پانی سر سے

دُنیا سے رہائی

(۳۷۸)

گھر چھوڑ کے ہم جستجو نکلیں گے
اس باغ جہاں سے مثل بو نکلیں گے
اب چاہ میں ہم گرے تو ہیں صورت دلو
پر جب نکلے یہ آبرو نکلیں گے

نفس امّارہ

(۳۷۹)

برباد کیا ہے طبع آوارہ نے
ترڑپا رکھا ہے قلب صد پارہ نے
شیطاں کی نہ کچھ خطا نہ قسمت کا قصور
مارا مجھے آہ نفس امّارہ نے

مذمتِ اہلِ سفل

(۳۸۰)

کب غنچہ کی گلجھڑی صبا نے کھولی　　　مشکل جو بڑی عقدہ کشا نے کھولی

امیدِ کشودِ کار اہلِ سفل سے نہ رکھ　　　کس روز گرہ ناخنِ پا نے کھولی

مذمتِ نادان

(۳۸۱)

جو صاحبِ فہم ہے وہی انساں ہے　　　دانا کے لئے فروتنی شایاں ہے

جاہل کبھی جہل سے نہیں پھرنے کا　　　نادان کو اگر قلب کرو نادان ہے

تربیتِ نااہل

(۳۸۲)

رہتے ہیں سدا ہوش بجا بینا کے　　　روشن ہوں نہ کیوں قلب سوا بینا کے

نااہل کے سامنے ہے یوں نیکی و پند　　　جس طرح چراغ آگے نابینا کے

مذمت کبر و غرور

(۳۸۳)

اتنا نہ غرور کر کہ مرنا ہے تجھے　　آرام ابھی قبر میں کرنا ہے تجھے
رکھ خیال کچھ سوچ کر ذرا پاؤں انیسؔ　　اک روز صراط سے گزرنا ہے تجھے

ایضاً

(۳۸۴)

افسوس یہ عصیان تباہی دیکھی　　کی خوب انیس خیر خواہی دیکھی
نازاں ہوئے تم پہن کے پوشاک سفید　　بڑھتی گئی دن رات سیاہی دیکھی

ایضاً

(۳۸۵)

مانا ہم نے کہ عیب سے پاک ہے تو　　پر مغرور نہ ہو صاحب ادراک ہے تو
بالفرض گر آسمان سے تیرا مقام　　انجام کو سوچ لے کہ پھر خاک ہے تو

خودستائی کی مذمت

(۳۸۶)

رتبہ جسے دنیا میں خدا دیتا ہے ۔۔۔ وہ دل میں فروتنی کو جا دیتا ہے

کرتے ہیں تہی مغز ثنا آپ اپنی ۔۔۔ جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے

دبیر

گنجینہ جسے رب ہدا دیتا ہے ۔۔۔ وہ داد عطیہ خدا دیتا ہے

خاموش حبابوں کے ہیں ظرف خالی ۔۔۔ دریا میں ہیں موتی، وہ صدا دیتا ہے

حیات دبیر دسیع شانی

مذمت حرص و ہوس

(۳۸۷)

کیوں زر کی ہوس میں در بدر پھرتا ہے ۔۔۔ جاتا ہے تجھے کہاں کدھر پھرتا ہے

اللہ ری پیری میں ہوس دنیا کی ۔۔۔ تھک جاتے ہیں جب پاؤں تو سر پھرتا ہے

ایضًا

(۳۸۸)

یہ حرص جو لیکے جا بجا پھرتی ہے　　پھرتے ہیں جدھر ساتھ قضا پھرتی ہے
فریاد کناں برائے ہر دانۂ رزق　　یوں پھرتے ہیں جیسے آسیا پھرتی ہے

ایضًا

(۳۸۹)

اے آہ ترا اثر نہ دیکھا ہم نے　　حسرت سے کدھر کدھر نہ دیکھا ہم نے
کیا کیا نخلِ ہوس کی شاخیں نکلیں　　لیکن کوئی ثمر نہ دیکھا ہم نے

مذمّت سوال

(۳۹۰)

بربادِ گراں جنس کو بے تول نہ کر　　تیرا کوئی مشتری ہو وہ مول نہ کر
اک نان سے انیس دستِ وزنانِ سوال　　خالی ہاتھوں کو اپنے کشکول نہ کر

مذمتِ دولت

(۳۹۱)

اندیشہ میں دن تمام ہو جاتا ہے
زندان گہہ وقت شام ہو جاتا ہے

زردار سے پوچھ حفظِ زر کی تکلیف
شب کا سونا حرام ہو جاتا ہے

مذمّتِ تُند خُو

(۳۹۲)

ہموار ہے گر تو کچھ تجھے باک نہیں
سرکش ہے اگر تو عقل و ادراک نہیں

پاتا نہیں تُند خو کدورت کے سوا
دامن میں ہوا کے کچھ بجز خاک نہیں

کمال کے بعد سرسبزی حاصل ہوتی ہے

(۳۹۳)

کس منہ سے کہوں کہ خوش انجام ہے تو
کامل ہیں کامیاب ناکام ہے تو

پختہ دانہ زمیں سے اُگتا ہے امیںؔ
سرسبز ہو کیونکر کہ ابھی خام ہے تو

زحمت کے بعد شہرت حاصل ہوتی ہے

(۳۹۴)

جو سو خرمن سے خوشہ چیں ہوتا ہے — دانائے جہاں وہ نکتہ بیں ہوتا ہے

ملتا نہیں نام نیک بے کاہش جاں — کٹتا ہے عقیق تب نگیں ہوتا ہے

بحر عالم میں انسان کی نجات کا ذریعہ

(۳۹۵)

دنیا دریا ہے اور ہوس طوفاں ہے — مانند حباب ہستی انساں ہے

لنگر ہے جو دل تو ہر نفس باد مراد — سینہ کشتی ہے ناخدا ایماں ہے

دبیر

دنیا زنداں ہے جائے آرام نہیں — گہوارہ بجز گردش ایام نہیں

آنکھوں میں سپیدی و سیاہی کی طرح — جھپکی جو پلک صبح نہیں شام نہیں

سلہ حیات دبیر میں رباعی متذکرہ بالا کے مقابلہ کی یہ رباعی دی ہے میرے خیال میں اس رباعی کا مفہوم اس سے مختلف ہے۔

مدح فقر و استغنا

(۳۹۶)

دولت عطا کر نہ جہاں میں زر دے — جو باعث آبرو ہے وہ گوہر دے
شاہوں کو نصیب ہے بحر و بر کی تحصیل — یارب مجھے نان خشک و چشم تر دے

ایضاً

(۳۹۷)

دولت کا کبھی خیال آتا ہی نہیں — وہ نشۂ فقر ہے کہ جاتا ہی نہیں
لبریز ہیں یہ ساغر استغنا سے — آنکھوں میں کوئی غنی سماتا ہی نہیں

ایضاً

(۳۹۸)

یہ اوج یہ مرتبے ہما کو نہ ملے — یہ دولت مرقع امیر کو نہ ملے
بخشی ہے خدا نے ہمکو وہ دولت فقر — برسوں ڈھونڈے تو بادشا کو نہ ملے

ایضاً

(۳۹۹)

وہ صبر مرا وہ بردباری تیری
بھولیگی نہ مجھکو مرکے یاری تیری

اللہ یونہی سب کی بناہے اے فقر
جس طرح کہ نبھ گئی ہماری تیری

مدح قناعت

(۴۰۰)

ہر صبح کو دوڑ کر کدھر جاتا ہے
کچھ گوہر عزت کا بھی دھیان آتا ہے

جب ضامن روزی ہے خداوند کریم
پھر کس لئے تو رزق کا غم کھاتا ہے

ایضاً

(۴۰۱)

حاصل ہو قناعت تو تونگر ہوجائیں
گزرکی ہوس نہو ابوذر ہوجائیں

نوابی و شاہی ہیں درکار نہیں
گر سدرمق ملے سکندر ہوجائیں

دبیر

جو تیرے سر کرے حرص کو قیصر وہ ہے ۔۔۔ تکیہ ہے جسے حق پہ توانگر وہ ہے

آئینہ سکندر نے بنایا تو کیا ۔۔۔ دل جس کا ہے آئینہ سکندر وہ ہے

الیزان

تواضع و خاکساری

(۴۰۲)

دل کو مرے شغل غمگساری کا ہے ۔۔۔ غفلت میں بھی طور ہوشیاری کا ہے

گردن کو اگر ہے سرکشی کا غرہ ۔۔۔ ہمکو بھی غرور خاکساری کا ہے

ایضاً

(۴۰۳)

پستی میں ہے لطف ارجمندی مجھکو ۔۔۔ بھاتا نہیں عیب خود پسندی مجھکو

عریاں ہوں لباس عاریت سے جوں سرو ۔۔۔ ہے خاک نشینی میں بلندی مجھکو

ایضاً

(۴۰۴)

انجام پہ اپنے آہ وزاری کر تو
سختی بھی جو ہو تو بردباری کر تو

پیدا کیا خاک سے خدا نے تجھکو
بہتر ہے یہی کہ خاکساری کر تو

ایضاً

(۴۰۵)

دل کو آرام بیقراری سے ملا
سینہ کو سرور آہ وزاری سے ملا

گلزار جہاں میں سرفرازی پائی
یہ پھل مجھے نخل خاکساری سے ملا

دبیر

بندہ پہ کرم حضرت باری کا ہے
مقدور کسے شکر گذاری کا ہے

دی ہے جو خدا نے سرفرازی مجھکو
ثمرہ یہ نہال خاکساری کا ہے

عجز و انکسار

(٤٠٦)

خلق و تعظیم دولت دینی ہے ہر عیب کا عیب خود بینی ہے

ہوتی ہے گنہگار کی توبہ بھی قبول خالق کو پسند عجز و مسکینی ہے

پیری اور انکسار

(٤٠٧)

خود ڈھونڈ کے پیش اہل دل جاتا ہوں غنچہ کی طرح ہوا سے کھل جاتا ہوں

پیری نے نہال بار ور مجھکو کیا ہر اک سے میں آپ جھک کے مل جاتا ہوں

ملائمت و نرمی

(٤٠٨)

اندوہ و الم سے کب جان بچتی ہے نے قلب نہ روح ناتواں بچتی ہے

یوں سنگدلوں میں رہ کے جان اپنی بچا جس طرح کہ دانتوں سے زبان بچتی ہے

ایضاً

(۴۰۹)

کیا قدر زمیں کی آسماں کے آگے
جھکتے ہیں قوی بھی ناتواں کے آگے

نرمی سے مطیع سنگدل ہوتے ہیں
دنداں صف بستہ ہیں زباں کے آگے

گوشہ نشینی

(۴۱۰)

سر کھینچ نہ شمشیر کشیدہ کی طرح
ہر ایک سے جھک قوس خمیدہ کی طرح

منظور نظر ہے جو حفاظت اپنی
ہو گوشہ نشین مردم دیدہ کی طرح

ایضاً

(۴۱۱)

دنیا میں نہ چین ایک ساعت دیکھا
برسوں نہ کبھی روز فراغت دیکھا

راحت کا مکاں امن کا گھر خانۂ عیش
دیکھا تو جہاں میں کنج عزلت دیکھا

ایضاً

(۴۱۲)

ہاں دولت فقر مصطفیٰ دیویں گے — تو قیر و شرف شیر خدا دیویں گے

ہوگا جو گوشہ گیر مثل ابرو — مردم آنکھوں پہ تجھکو جا دیویں گے

عیب پوشی

(۴۱۳)

کہدے کوئی عیب جو ہے سرگوشی میں — ڈھنپ جاتے ہیں عیب خطا پوشی میں

دامن ہے چراغ فکر کو جنبش لب — یہ شمع ضیا دیتی ہے خاموشی میں

دیگر

جو اہل ہنر کا عیب جو ہوتا ہے — بد اس کا ہر اک فعل نکو ہوتا ہے

جب نقص زر و سیم وہ کرتا ہے عیاں — خود سنگ محک سیاہ رو ہوتا ہے

خاموشی

(۴۱۴)

مداحِ شہ یثرب و بطحا ہم ہیں | ہر عیب و غرور سے مبرا ہم ہیں
گو دل میں ہزاروں دُرِ مضموں ہیں مگر | خاموش بسانِ لبِ دریا ہم ہیں

عزتِ نفس

(۴۱۵)

عزت ہے یار و آشنا کے آگے | محجوب نہ ہوں شاہ و گدا کے آگے
یہ پاؤں چلیں تو راہ مولا میں چلیں | یہ ہاتھ جب اٹھیں تو خدا کے آگے

دبیر

قطرے کو رہین بحرِ مواج نہ کر | شرمندۂ اہل دولت و تاج نہ کر
یارب قسم روحِ ید اللہ تجھے | اس ہاتھ کو اُس ہاتھ کا محتاج نہ کر

حیاتِ دبیر

محبّت

(۴۱۶)

بر عکس ہے گر خاک میں مل مل جائے — اس طرح ملے بشر کہ دل مل جائے

الفت کو بھی کیا خدا نے بخشا ہے اثر — جنگل کا جو وحشی ہو تو ہل مل جائے

اتّحاد کی نایابی

(۴۱۷)

ان آنکھوں سے خوب لطفِ عالم دیکھا — مردم میں نہ اتفاق باہم دیکھا

سمجھے کہ خلافِ رسمِ عالم ہے انیس — جب دم کسی بادام کو توام دیکھا

مدحِ سخن

(۴۱۸)

انسان فہی عقل و ہوش ہو جاتا ہے — سرتاپا چشم و گوش ہو جاتا ہے

گر جان نہیں سخن تو بتلائیے پھر — کیوں مر کے بشر خموش ہو جاتا ہے

تادمِ مرگ فکرِ سخن کرنا چاہیے

(۴۱۹)

ہشیار ہے سب باخبر ہے جب تک — بیدار ہے عالم یہ نظر ہے جب تک

پیدا ہے صریرِ کلک سے یہ آواز — کر فکرِ سخن زباں تر ہے جب تک

سخن کی قدر سخن فہم کر سکتا ہے

(۴۲۰)

گل سے بلبل کی خوش بیانی پوچھو — ذی فہم سے لطفِ نکتہ دانی پوچھو

توقیرِ کلامِ حق سمجھتا ہے کلیم — موسیٰ سے رموزِ لن ترانی پوچھو

اہلِ سخن کو طرار ہونا چاہیے

(۴۲۱)

زیبا ہے وقارِ بادشاہی کے لیے — جرأت ہے سبب کج کلاہی کے لیے

لازم ہے کہ ہو اہلِ سخن تیز زباں — تلوار ضرور ہے سپاہی کے لیے

خوبیاں خود ظاہر ہوتی ہیں

(۴۲۲)

کیوں نہ رکھی ہوس میں آبرو دیتا ہے — نادان یہ کسے فریب تو دیتا ہے

لازم نہیں اپنے منھ سے تعریف انیس — خالص ہے جو مشک آپ بو دیتا ہے

ایضاً

(۴۲۳)

کس منھ سے کہوں لائق تحسین ہوں میں — کیا لطف جو گل کہے کہ رنگین ہوں میں

ہوتی ہے حلاوت سخن خود ظاہر — کہتی ہے کہیں شکر کہ شیریں ہوں میں

دبیر

شیریں سخنی پہ مورد تحسیں ہوں — واللہ نہ عیب بیں نہ نکتہ چیں ہوں

نکتہ میں ہے میرے سخن شیریں سے — شکر کا ہے کیا منھ جو کہے شیریں ہوں

سبع مثانی

دشمن کو بھی نہ ستاؤ

(۴۲۴)

ہر بات پہ معترض نہ ہو جنگ نہ کر مٹی سے بنا ہے دل کو تو سنگ نہ کر

بہتر ہے کہ دشمن کو بھی دل تنگ نہ کر منظور اگر ہے جا دلوں میں اے دوست

کسی کو ذلیل نہ سمجھو

(۴۲۵)

نادان ہے جو آپ کو دانا سمجھے عاجز نہ کسی بشر کو اصلا سمجھے

ادنیٰ بھی ہو گر تو اس کو اعلا سمجھے ہے اوج کمال و نیک نفسی کی دلیل

تمیز نیک و بد

(۴۲۶)

حاسد جو برا کہے تو چپ رہتے ہیں ہر وقت زمانہ کا ستم سہتے ہیں

جو بد ہیں وہ اچھوں کو برا کہتے ہیں جو نیک ہیں وہ بد کو بھی کہتے ہیں نیک

ذاتیہ

امام حسینؑ کی مدح پر مباہات

(۴۲۷ - ۴۸۹)

شہرہ ہر سو جو خوش کلامی کا ہے
باعث مدح امام نامی کا ہے

میں کیا آواز کیسی پڑھنا کیسا
آقا یہ شرف تیری غلامی کا ہے

بعد مرگ بھی قطع سخن نہ ہوگا

(۴۲۸)

رتبہ نہ ہو کیوں نظم میں برتر میرا
مداحی شبیرؑ ہے جو ہنر میرا

ممکن نہیں بعد مرگ بھی قطع سخن
خامہ کی طرح اگرچہ کٹے سر میرا

پیشین گوئی

(۴۲۹)

ہاں بعد فنا سخن نشاں ہے میرا
دنیا میں یہ باغ بے خزاں ہے میرا

تا حشر رہیگا نام اس سے روشن
ہر شعر چراغ دودماں ہے میرا

اپنی زبان پر ناز

(۴۳۰)

بے جا نہیں مدح شہ میں غرّا میرا — بھرتی سے کلام ہے معرّا میرا

مرغانِ خوش الحانِ چمن بولیں کیا — مر جاتے ہیں سنکے زمرّا میرا

ایضًا

(۴۳۱)

ہم سے کوئی اہلِ کبر غرّا تو کرے — ہر عیب سے آپ کو مبرّا تو کرے

کیا فاختہ سجّیگی بھلا بلبل سے — صاف اپنا وہ پہلے و زمرّا تو کرے

خوش فکری

(۴۳۲)

مملوِ دُرِ معنی ہے مرا سینہ ہے — دل میں یہ صفائی ہے کہ آئینہ ہے

جب قفلِ دہن کھلا جواہر نکلے — گویا یہ زبان کلیدِ گنجینہ ہے

طبیعت کی روانی

(۴۳۳)

کیا کیا نہ چڑھا فطرتِ پہ کیا کیا اترا ۔۔۔ پر نشہ نہ الفتِ علیؑ کا اُترا
جب جوش پہ آکے تھم گئی طبع انیس ۔۔۔ ثابت یہ ہوا کہ چڑھ کے دریا اُترا

مضمون آفرینی

(۴۳۴)

کھلتا ہی نہیں کسی پہ وہ راز ہوں میں ۔۔۔ مانندِ نگہ بلند پرواز ہوں میں
جاتا ہی نہیں مرغ معانی بچکر ۔۔۔ کرتا ہوں جھپٹ کے صید وہ باز ہوں میں

دُرریزی

(۴۳۵)

ہر ایک سخن میں رنگ آمیزی ہے ۔۔۔ پیری ہے پہ ذہن میں وہی تیزی ہے
گر گئے جاتے ہیں دندانِ انیس ۔۔۔ تاحال زبان کو شوقِ دُرریزی ہے

نکتہ دانی

(۴۳۶)

گلچیں کو غرور گل فشانی کا ہے غرہ بلبل کو خوش بیانی کا ہے
خال رخ اکبر کی جو کی ہے توصیف دعویٰ ہمکو بھی نکتہ دانی کا ہے

فخریہ

(۴۳۷)

وہ نظم پڑھوں کہ بزم خوشبو ہو جائے عطر عنبر ہر ایک آنسو ہو جائے
یاد آئے شمیم زلف ہم شکل سول آہوں کا دھواں حور کا گیسو ہو جائے

ایضاً

(۴۳۸)

وہ نظم پڑھوں کہ بزم رنگین ہو جائے اک غلغلہ آفریں و تحسیں ہو جائے
جھڑتے ہیں سب پھول لفظوں کے عوض یاں آئے سخن چیں بھی تو گلچیں ہو جائے

دبیر

ہاں بلبل سدرہ شور تحسیں ہو جائے
وہ نظم پڑھوں کہ بزم رنگیں ہو جائے

ہل نقطے ہوں پھول لفظ طوبیٰ مصرعے
فردوس اگر آئے تو گلچیں ہو جائے

حیات دبیر

ایضاً

(۴۳۹)

بلبل یہاں آ کے خوش بیانی سیکھے
انداز فغاں مجھ سے فغانی سیکھے

رونا مری آنکھوں سے کرے حاصل ابر
دریا مرے اشکوں سے روانی سیکھے

ایضاً

(۴۴۰)

گلہائے مضامیں کو کہاں بند کروں
خوشبو نہیں چھپنے کی جہاں بند کروں

میں باعث نغمہ سنجی بلبل ہوں
کھولے نہ کبھی منہ جو زباں بند کروں

دبیر

شیران مضامیں کو کہاں بند کروں ۔ کیا طبع کا دریائے رواں بند کروں

خلاق مضامیں تو سبھی ہیں لیکن ۔ کھلجائے حقیقت جو زباں بند کروں
سبع مثانی

ایضاً

(۱۴۴۱)

مشک ختن نظم کہاں بند کروں ۔ مہکے گا یہ آپ اسکو جہاں بند کروں

ہیں نافہ کشائے سخن اس بزم کے لوگ ۔ دل انکے کھلیں کیں جو زباں بند کروں

ایضاً

(۱۴۴۲)

میزان سخن سنج میں تلتا ہوں میں ۔ فکر گہر نظم میں گھلتا ہوں میں

دل رہتا ہے بند قفل ابجد کی طرح ۔ جب حرف شناس ہو تو کھلتا ہوں میں

باہمہ و بے ہمہ

(۴۴۳)

ہیں طور علیحدہ ہمارے سب سے — بیگانہ و آشنا ہیں یارے سب سے
دریا سے ملے ہوئے ہیں مثل ساحل — پھر دیکھیے گر تو ہیں کنارے سب سے

ایضاً

(۴۴۴)

تابانِ فلک سخن کے تارے ہم ہیں — ممتاز ہی شرف سے بارے ہم ہیں
ہر چند ہے حسن سخن اس پر موقوف — پر قافیہ کی طرح کنارے ہم ہیں

فخریہ

(۴۴۵)

لفظ نمکین نمک سخن میں شیرینی ہے — دعوائے ہنر نہ عیب خود بینی ہے
تاج گل گلشن ہمہ سخن ہم ہیں — غنچہ کی طرح زبان میں رنگینی ہے

ایضاً

(۴۴۶)

نہ ملح کا دعویٰ ہے نہ خود بینی ہے — با تو نمین اثر زبان میں رنگینی ہے

شیرینی میں ہے نمک حلاوت دیکھو — ہے طرفہ مزا نمک میں شیرینی ہے

ایضاً

(۴۴۷)

پروا تیغ زبان کو سجنے کی نہیں — حاجت طبل سخن کو بجنے کی نہیں

دُربار ہے ابر طبع لیکن ہوں خموش — عادت ہے برسنے کی گرجنے کی نہیں

ایضاً

(۴۴۸)

کانپا نہ جگر نہ دل نہ چہرا اُترا — کس بحر میں ہے خوف و خطر جا اُترا

ساحل ہے نہ جسکے ٹھہرے پار ونکے قدم — ڈوبا تہ لگا کے میں وہ دریا اُترا

لہ گویائی ۱۲

ایضاً

(۴۴۹)

مضموں نہیں کا نہ چہرا اترا | اترا بھی تو کچھ بگڑ کے نقشا اترا

نقاش نے سو طرح کی خفت کھینچی | تصویر نہ کھینچ سکی تو چہرا اترا

تاثیر کلام

(۴۵۰)

کٹ جاتے ہیں جو رنگ بدلنے والے | کب تھمتے ہیں جو اشک میں ڈھلنے والے

اللہ رے تیرے سخن کی تاثیر انیس | رو دیتے ہیں مثل شمع جلنے والے

دزدان مضامین

(۴۵۱)

کس دن مضموں نو کا نقشا اترا | ہر دزد مضامیں کا نہ چہرا اترا

منبر سے ہم اترے نئے مضموں پڑھ کر | انکے لئے گویا من و سلوی اترا

ایضاً

(۴۵۲)

کب دزدوں سے دولتِ ہنر بچتی ہے ۔۔۔ لے بھاگتے ہیں جبکہ نظر بچتی ہے

ممکن نہیں دزدانِ مضامیں سے نجات ۔۔۔ سچ ہے کہ مگس سے کب شکر بچتی ہے

حاسدوں کی شکایت

(۴۵۳)

راحت کیا حاسد سے حاصل ہوتی ۔۔۔ لذتِ دنیا کی زہرِ قاتل ہوتی

اس وقت میں گر خضر و مسیحا ہوتے ۔۔۔ دو چار گھڑی بھی زیست مشکل ہوتی

ایضاً

(۴۵۴)

رونق دہ بزمِ خوش بیانی ہم ہیں ۔۔۔ رشکِ گلِ باغِ نکتہ دانی ہم ہیں

فیضِ غمِ شاہِ بحر و بر سے لاریب ۔۔۔ دشمن ہے اگر آگ تو پانی ہم ہیں

ایضاً

(۴۵۵)

اعلیٰ سے نہ ہوگا کبھی ادنا بھاری
کھل جاتا ہے یہ قدر یہ ہلکا بھاری

حاسد سرکش ہے اور میں افتادہ خاک
اب دیکھیے ہے کونسا پلّا بھاری

ایضاً

(۴۵۶)

مضموں گوہر ہیں اور صدف سینا ہے
صیاد تو کیہ قلب لے کینا ہے

آئینہ سا روشن ہے کلام اپنا نہیں
ہم اسکو نظر آئیں گے جو بینا ہے

حسرت

(۴۵۷)

ہر روح کو ایک روز بستی ہوگی
اپنی کسی ویرانہ میں بستی ہوگی

ہے کون جو مینھ اشکوں کا برسائیگا
حسرت مری تربت پہ برستی ہوگی

تنگدستی

(۴۵۸)

یاں آئے ملال و رنج سہنے کے لیے دم بھر نہ ہوئے امیر کہنے کے لیے

محتاج کے محتاج اُسی طرح رہے پائے تھے یہ ہاتھ خالی رہنے کیلئے

مصائبِ زیست

(۴۵۹)

تکیہ پہ نہ سر ہے نہ بدن بستر پر اس در پہ کبھی ہوں تو کبھی اُس در پر

ہر وقت ہے فکرِ نان و اندوہ لباس کیا زیست نے ڈالی ہیں بلائیں سر پر

ایضاً

(۴۶۰)

کس طرح نہ تلخ زندگانی ہو جائے پتھر پہ یہ دکھ پڑیں تو پانی ہو جائے

اس غم میں جو شریکِ درد ہوئے میرا خورشید کا رنگ زعفرانی ہو جائے

ایضاً

(۴۶۱)

ہر دم مجھے سامنا صعوبات کا ہے — اندیشۂ و اضطراب و آفات کا ہے

تنہا میں فلک کجی یہ خلقت دشمن — ہاں گر ہے تو آسرا تری ذات کا ہے

ایضاً

(۴۶۲)

کس دن فرس خامہ تک و دو میں نہیں — مجھ سا بھی نحیف کوئی سو میں نہیں

ہر چند کہ ہوں خسرو اقلیم سخن — پر غیر دوات کچھ قلمرو میں نہیں

بد قسمتی

(۴۶۳)

راحت کا مزہ عدو نے جانی نکلا، — دل سے نہ کبھی غم نہانی نکلا

پیاسے رہے آ کے چاہ دنیا پہ نہیں — نکلا بھی کبھی تو شور پانی نکلا

دبیر

کھانے کا مزہ فقط زبانی نکلا
باقی سامان عیش فانی نکلا

چاہا تھا کہ ہاتھ دھوئیں دنیا سے دبیر
اتنا بھی نہ اس کنوئیں میں پانی نکلا

مسیح شانی

ایضاً

(۴۶۴)

گلشن کی کروں سیر تو صحرا ہو جائے
صحرا کا کروں عزم تو دریا ہو جائے

موسیٰ کا عصا بھی ہاتھ آجائے اگر
قسمت سے مری سوزن عیسیٰ ہو جائے

بدقسمتی

(۴۶۵)

فرصت نے کبھی چشم کو اک پل بھر دو
ہو جائیں پہاڑ غرق جنگل بھر دوں

کیا ابر مقابلہ کرے گا میرا
دم بھر رو دوں اگر تو جل تھل بھر دوں

ایضاً

(۴۶۶)

بخشش کیلئے مرثیہ خوانی ہے مری — غم کے لیے پیری و جوانی ہے مری

رونا ہے کبھی اور کبھی آہیں کرنا — اس آب و ہوا سے زندگانی ہے مری

پردۂ عریانی

(۴۶۷)

کیا حال کہیں دل لگی پریشانی کا — کھلتی نہ لذت نہ مزا پانی کا

مرتے ہیں کبھی وحشت کے دامن میں ہاتھ — پردہ ہے یہی جامۂ عریانی کا

خانہ بربادی

(۴۶۸)

گو صورت دریا ہمہ تن جوش ہوں میں — لب خشک ہیں چشم تر ہے خاموش ہوں میں

کیا پوچھتے ہو مقام و مسکن میرا — مانند حباب خانہ بر دوش ہوں میں

کساد بازاری

(۴۶۹)

کس جسم پہ بل کریں کہ شہرہ ہوئیں — دیکھو کہ ضعیف صورت مور ہوئیں

تن پر یہ پڑی ہے گرد بازار کساد — ہوتا ہے یقین کہ زندہ در گور ہوئیں

دبیر

شیریں سخنی کے فن میں شہرہ ور ہوں میں — پر بخت یہ کہتا ہے ارے شور ہوئیں

اس ہند میں طوطی قفس کی مانند — خوبی سے زباں کی زندہ در گور ہوئیں

حیات دبیر

ضعف پیری

(۴۷۰)

کم زور ایسا کسی کو پیری نہ کرے — بلبل کا بھی یہ حال اسیری نہ کرے

دبا ہوں زمیں پہ صورت نقش قدم — گر میری عصا بھی دستگیری نہ کرے

ایضاً

(۴۷۱)

آزادی میں آفت اسیری آئی — شاہی نہ ہوئی تھی کہ فقیری آئی

ایام شباب کس کو کہتے ہیں انیس — موسم طفلی کا تھا کہ پیری آئی

انتہائے ضعف

(۴۷۲)

راہی طرف عالم بالا ہوں میں — ہستی سے عدم کو جانے والا ہوں میں

یارب ہے اندام پاک جلنے کے لیے — گویا اک ہڈیوں کا مالا ہوں میں

شدت مرض

(۴۷۳)

تن پر ہے عرق عجب تب و تاب میں ہوں — کیا جانے غش آگیا ہے یا خواب میں ہوں

اس سینۂ سوزناک و چشم نم سے — آتش میں کبھی ہوں تو کبھی آب میں ہوں

ایضاً

(۴۷۴)

ہے سخت ملول طبع ناساز مری
نوحہ ہے صدائے نغمہ پرواز مری

اللہ رے زور ناتوانی کا نہیں
آوازۂ مرگ دل ہے آواز مری

صحت سے یاس

(۴۷۵)

ہر لحظہ گھٹی جاتی ہے طاقت میری
بڑھتی ہے گھڑی گھڑی نقاہت میری

آتا نہیں اب قتہ پھر جو مرا نہیں
اب مرگ پہ موقوف ہے صحت میری

ایضاً

(۴۷۶)

چھٹتا ہے مقام کوچ کرتا ہوں میں
رخصت اے زندگی کہ مرتا ہوں میں

اللہ سے لو لگی ہوئی ہے میری
اور یہ کہ دم اسی واسطے بھرتا ہوں میں

لوگ مرنے کے بعد یاد کریں گے

(۴۷۷)

درد اک فراقِ روح و تن میں ہوگا — پنہاں تنِ ناتواں کفن میں ہوگا

اس روز کریں گے یاد رونے والے — جس دن نہ انیسؔ انجمن میں ہوگا

بیماری میں امام کی مدد پر بھروسہ

(۴۷۸)

دیتا ہے وہی شفا کہ جو شافی ہے — ہر درد میں خالق کا کرم وافی ہے

درکار نہیں مدد کسی کی مجھ کو — امدادِ امامِ قل کتنی کافی ہے

وقتِ احتضار اور آمدِ مشکل کشا

(۴۷۹)

بیمار کی بالیں پہ مسیحا آئے — آقا آئے ہمارے مولا آئے

عجلت کا محل ہے پیشوائی کیلئے — اے جان نکل علیؑ اعلا آئے

میت کے لئے دعا

(۴۸۰)

یارب مری میت کو زمین پاک ملے
دلچسپ مکان قبر فرحناک سے ملے

یوں خاک شفا میں مرکے مل جاؤں انیسؔ
غربال سے چھانیں تو نہ کچھ خاک ملے

فرمان شاہی

(۴۸۱)

اک شعلۂ نور طور سے آیا ہے
مژدہ جان بخش و ہیں سے آیا ہے

باندھو کمر ادا بجا لا کے انیسؔ
فرمان طلب حضور سے آیا ہے

انقلاب ہند

(۴۸۲)

افسوس زمانہ کا عجب طور ہوا
کیوں چرخ کہن آہ نیا دور ہوا

اب پائیے کہیں اور چلو جلد انیسؔ
اب یاں کی زمیں اور فلک اور ہوا

ایضاً

(۴۸۳)

انجام بخیر ابتدا بگڑی ہے — گھر گر نہ پڑے کہیں بنا بگڑی ہے

کشتی سے ابھی ہم کنارے ہو جائیں — الٹا دریا بہا ہوا بگڑی ہے

دبیر

کس عہد میں تبدیل نہیں دور ہوا — گہ عدل گیا ظلم گیا جور ہوا

اللہ وہی ہے تو نہ مضطر ہو دبیر — کیا غم جو زمیں اور فلک اور ہوا

حیات دبیر

انتزاع سلطنت اودھ

(۴۸۴)

کیونکر دل غمزدہ نہ فریاد کرے — جب ملک کو چرخ پیر[۵] برباد کرے

مانگو یہ دعا کہ پھر خداوند کریم — اجڑی ہوئی مملکت کو آباد کرے

۵ بعض نسخوں میں "چرخ پیر" کے بجائے "دور عظیم" ہے —

مدحِ نظامِ حیدرآباد

و مختار الملک

(۴۸۵)

موجود ہے جو کچھ جسے منظور ہے یاں ‖ علم و عمل و عطا کا دستور ہے یاں

مختار الملک و بندگانِ عالی ‖ رحمت پہ رحمت نور پر نور ہے یاں

دعائیہ برائے اہلِ حیدرآباد

(۴۸۶)

اللہ و رسولِ حق کی امداد رہے ‖ سرسبز یہ شہرِ فیض بنیاد رہے

نواب ایسا رئیسِ اعظم ایسے ‖ یا رب آباد حیدرآباد رہے

دعا برائے خود

(۴۸۷)

سرگرم رہوں نبی کی مداحی میں ‖ کام آئے زباں وصی کی مداحی میں

یا رب یہ مری عمر کٹے مثلِ قلم ‖ سجدوں میں ترے علی کی مداحی میں

استغاثہ

(۴۸۸)

اے بادشہ کون و مکاں ادرکنی   اے عقدہ کشائے دو جہاں ادرکنی

اب تنگ ہے دشمنوں کے ہاتھوں سے نفس   یا حضرت صاحب الزمان ادرکنی

ایضاً

(۴۸۹)

سنیئے فریاد یا حسین ابن علی   دیجیے مری داد یا حسین ابن علی

عالم غدار اور میں زار و نحیف   امداد امداد یا حسین ابن علی

ضمیمہ

حمد باری عز اسمہ

۴۹۰

جب نزع و ہاں نہ جسم بے تاب ہو   لب پر تیرا ہو ذکر دل میں تو ہو

ہر آہ میں ہو صدا کہ یا حی و قدیر   ہر سانس میں ہو لا الہ الا ہو

ایضاً

بلبل تری یاد میں فغاں کرتی ہے ۴۹۵ شاخ گل تر زمیں پہ سر دھرتی ہے

استادہ نہیں سحر قیام میں فقط قمری بھی ترے عشق کا دم بھرتی ہے

ایضاً

دل میں ترا درد ہو تو درماں کیا ہے ۴۹۶ تو پیش نظر ہو تو گلستاں کیا ہے

گر راہ نجف میں لاکھ دریا ہیں تو ہوں گر عشق حرم ہو تو بیاباں کیا ہے

ایضاً

ہیں معترف عجز ثنا خوان تیرے ۴۹۷ افزوں ہیں حد شکر سے احسان تیرے

میں کرتا ہوں جرم عفو کرتا ہے تو لائق ہے مرے وہ ہے جو شایاں تیرے

ایضاً

ہے کون سی شادی جو ترے غم میں نہیں ۴۹۸ ہاں درد محبت ہی کہ ہم میں ہی نہیں

مجھ سے ترے لیے ہزاروں ہیں تجھ سا مرے لیے دو عالم میں نہیں

ظاہری ہمدردی پر مغرور نہ ہونا چاہیے

(۴۹۱)

روتے ہیں لہو ہر ایک ہمدم کے لیے — ہم خلق ہوئے ہیں غم عالم کے لیے

نازاں نہ ہوں اس سوز ظاہر پہ انیس — جلتی نہیں شمع اہل ماتم کیلئے

لوگوں کی تعریف پر مغرور نہ ہو جاؤ

(۴۹۲)

تعریف پہ اپنی کیوں تجھے غرہ ہے — خورشید نہ بن خاک کا تو ذرہ ہے

کچھ پھل نہ ملیگا سن تحسین انیس — نخل ترقی کے لیے آرہ ہے

پکار علی الحسین

۴۹۸

ہے اس کی دوا جو قدرتِ آدم ہے — جو زخم ہے اس کے واسطے مرہم ہے

جز اسکے نہیں کوئی گنہگار علاج — رو نام حسین لے کے جب تک دم ہے

ایضاً

۴۹۹

طفلی یہ نشاط و شادمانی کٹ جائے
یا عیش میں موسم جوانی کٹ جائے

سب کچھ یہ عبث ہے اے محبان حسینؑ
روتے روتے ہی زندگانی کٹ جائے

اصحاب حسینؑ کی تشنگی

۵۰۰

اعدا نے پیا بھی اور بہایا پانی
لشکر نے حسینؑ کے نہ پایا پانی

بازو بھی کٹائے بازوئے سرور نے
اس پر بھی مگر ہاتھ نہ آیا پانی

مجلس عزا

۵۰۱

محفل محبوب حق کے پیاروں کی ہے
مجلس آقا کے سوگواروں کی ہے

پردہ معصوم کا ہے سایہ اس جا
شیعوں کے سر پہ چھاؤں تاروں کی ہے

موسم گرما کی مجالس

تکلیف کسی کی شہ کو منظور نہیں
جنت کی ہوا آئے تو کچھ دور نہیں
گر کر بھنتا نہیں زمیں پر دانہ
گرمی ہے مگر گرمی عاشور نہیں

عاجزی وافتادگی

۵۰۲

خاروں سے خلش نہ پھول سے کاوش ہے
راحت کی طلب نہ چین کی خواہش ہے
ہمدم بیگانگی مکان گوشۂ قبر
بستر ہے خاک ترک سر بالش ہے

بار گناہ

۵۰۳

کیا ہو سکے بحر طبع کو جوش یہ ہے
اک مہر سی گویا لب خاموش پہ ہے
کس طرح کروں قطع مری روح کی راہ
پشتارۂ گناہوں کا مری دوش پہ ہے

۲۴۸

ناقدری کی شکایت

ناقدریِ احباب سے حیراں ہوں میں — آئینہ فروشِ شہرِ کوراں ہوں میں

ہے اک نظرِ لطف ہماری قیمت — بینا ہو خریدار تو ارزاں ہوں میں

ذہانت و جودت

۵۰۵

آئینہ ہر سو جلوہ حیراں ہوں میں — خاطر ہے جمع گو پریشاں ہوں میں

مردم کی پلک ہلی کہ مطلب سمجھا — ہر اک کی نگاہ کا زباں داں ہوں میں

آلام و مصائب

۵۰۶

کیا جانئے صبر و تاب کہتے ہیں کسے — آرام ہے کیا شباب کہتے ہیں کسے

پھنکتا رہتا ہوں تا سحر صورتِ شمع — آگاہ نہیں کہ خواب کہتے ہیں کسے

برگشتگیِ تقدیر

۵۰۷

پوچھو نہ جس کسی سے خبر ہیں اب تو　　آوارہ وطن خاک بسر ہیں اب تو

مانندِ نگین خاک نشین تھے آگے　　حلقے کی طرح سے دربدر ہیں اب تو

ایضاً

۵۰۸

رونے سے فراغ اب کسی روز نہیں　　بے غم کوئی دم جانِ غم اندوز نہیں

جز درد نہیں کوئی ہمارا ہمدرد　　جز داغ کوئی اپنا جگر سوز نہیں

کساد بازاری

۵۰۹

باندھے ہوئے گوہرِ سخن لائے ہیں　　بازار جو بند ہے تو شرمائے ہیں

کہتے تھے یہ روز جنس لینے والے　　جب اٹھ گئے جوہری تو ہم آئے ہیں

عجز و انکسار

۵۱۰

کچھ جس سے نہیں حصول وہ کشت ہیں ہم
قابل نہیں تعمیر کے وہ خشت ہیں ہم

ناچار جو مولا بھی شفاعت کریں
مشاطہ کا کیا گلہ کہ خود زشت ہیں ہم

مدح خاموشی

۵۱۱

ہے تیری عقل و ہوش بیہوشی میں
باتوں میں یہ لطف ہے نہ سرگوشی میں

سمجھے جو زبان بے زبانی تو کہوں
جو مجھکو مزا ملا ہے خاموشی میں

مداح کے ساتھ ممدوح کا احسان

۵۱۲

ہر بند پہ ذاکر کو صلا دیتے ہیں
ہر شعر کی داد جابجا دیتے ہیں

کیا جانے کاملوں کو کیا ہے یہ لطف
مجھ سے ناقص کا دل بڑھا دیتے ہیں

تصحیح الاغلاط مجموعۂ رباعیات میر انیس

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷	۹	نظم نام	نظم کا نام
۱۶	۳	اور	در اور در
۲۳	۳	مولا رومی	مولانا رومی
۶۹	۹	ابداد	امداد
۸۱	۱۷	گنشت	کنشت
۹۸	۷۲	دو چیزیں عقبیٰ کیلیے	دو چیزیں ہیں عقبیٰ کے لیے
۱۰۳	۹۲	جن کو	جس کو
۱۱۵	رباعی ۱۲۷	کسی نے	کس نے
۱۲۸	سرخی	ضمیر و دبیر	ضمیر یا دبیر
۲۲۷	سرخی	ہما ہمہ	با ہمہ
۲۳۶	رباعی ۵۰۱	پردہ معصوم	پردہ معصوم